قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

جنوری 1982

تحریک پاکستان کے مخالف علماء

(پرویز صاحب کا خطاب)

قرآن مجید کسطرح جمع اور مرتب ہوا

(روایات کی رو سے)

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵- بی - گلبرگ

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلی فون ۸۸۰۸۰۰ خط و کتابت ناظم ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ ۔ لاہور	بدلِ اشتراک
۳ تین روپے		سالانہ پاکستان ۳۶/- روپے غیر ممالک ۸۶/- روپے
شمارہ ۱	جنوری ۱۹۸۲ء	جلد ۳۵

فہرست

۱۔ لمعات ۔۔۔ ("آبروئے ما زنامِ مصطفیٰ است") ۔۔۔ ۳

۲۔ بزم الجنم (بزمہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کا اجتماع) ۔۔۔ ۸

۳۔ تحریکِ پاکستان کے مخالف علماء (انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ کیسے لیا؟) ۔۔۔ ۹

(تقریب یومِ پیدائش قائدِ اعظمؒ ۔۔۔ محترم پرویز صاحب کا خصوصی خطاب)

۴۔ مطالب الفرقان (جلد چہارم) ۔۔۔ ۴۰

۵۔ روایات کی رُو سے قرآن کس طرح جمع اور مرتب ہوا؟ ۔۔۔ ۴۱

۶۔ سامعینِ درس کی خدمت میں ۔۔۔ (محترمہ ثریا عندلیب) ۔۔۔ ۵۷

۷۔ احباب کو آپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے ممبران کی خصوصی توجہ کے لئے! ۔۔۔ ۶۱

۸۔ فہرست مطبوعاتِ قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی ۔۔۔ ۶۲

۹۔ قرآنی درس کے اعلانات ۔۔۔ ۶۳

۱۰۔ "تصوف کی حقیقت" ۔۔۔ ۶۴

ایڈیٹر محمد خلیل ۔ ناشر شیخ عبدالحمید مقامِ اشاعت ۔ ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور ۔ مطبوعہ ۔ اشرف پرنٹنگ پریس ۹ ایبک روڈ ۔ لاہور

هر کجا بینی جهانِ رنگ و بو
آنکه از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ اورا بهاست
یا هنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

آبروئے ما زنامِ مصطفےٰ است

ربیع الاوّل کا مقدس مہینہ آرہا ہے، رمضان المبارک کے مہینہ کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ...... (۲/۱۸۵) رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔ غور کیجیئے تو ان تین چار لفظوں میں عظمت اور احترام کے تمام گوشے سمٹ کر آگئے ہیں۔ یہ کہنے کے بعد کہ اس مہینہ کی وجہ عظمت یہ ہے کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے، کچھ اور کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر ربیع الاوّل کے مہینے کا تعارف مقصود ہو تو اس سے زیادہ اور کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہوگی کہ یہ مبارک مہینہ ہے جس میں وہ ذاتِ اقدس و اعظم دنیا میں تشریف لائی جس کے سینہ پُر نور کو قرآن کا مہبط بننا تھا، اصل یہ ہے کہ رمضان اور ربیع الاوّل کی عیدیں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی سکّہ کے دو رُخ ہیں، نہ قرآن کو رسالتِ محمدیہ سے الگ کیا جا سکتا ہے۔ نہ رسالتِ محمدیہ کسی طرح قرآن سے جُدا ہے۔

اگرچہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے تذکارِ جلیلہ کی اہمیت ایسی ہے کہ سال کے ہر مہینہ اور مہینہ کے ہر دن اس کے مختلف پہلوؤں کو اقوامِ عالم کے سامنے پیش کیا جانا چاہیئے، لیکن یہ بھی غنیمت ہے کہ کم از کم ایک مہینہ میں اس تذکرۂ مقدسہ کے لیئے محفلیں منعقد کی جاتی ہیں کہ دنیا کے مختلف گوشوں تک اس بلند و برتر نام کی آواز پہنچ جائے لیکن مقامِ تاسف ہے کہ ان محفلوں میں زیادہ تر تو اس نوعیت کی ہوتی ہیں جن میں بتایا جاتا ہے کہ اللہ میاں نے کس طرح حضرت آدمؑ کا پتلا تیار کیا اور پھر کس طرح نورِ محمدی مختلف انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا بطنِ آمنہ تک پہنچا۔ یہاں تک پہنچنے کے بعد سلسلۂ کلام کو ختم کر دیا جاتا ہے یعنی جہاں سے سلسلۂ کلام کا آغاز ہونا تھا وہاں اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ دوسری قسم کی محفلیں وہ ہیں جن میں دنیا بھر کی عجوبہ پرستیوں کو اس ذاتِ گرامی کی طرف منسوب کرتے چلے جاتے ہیں جو علم و بصیرت کی انتہائی بلندیوں پر فائز تھی اور جس کی بعثت کا ایک عظیم مقصد دنیا سے جہالت اور توہم پرستی کو مٹانا تھا۔ بہت کم محفلیں ایسی دیکھنے میں آئیں گی جن میں حضورؐ کی سیرتِ طیبہ کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ بھٹکتی ہوئی انسانیت کے لئے چراغِ راہ کا کام دے سکے حالانکہ یہی وہ مقصد تھا جس کے لئے قرآن نے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ کو اپنے دفتین میں محفوظ کر کے شرفِ دوام بخش دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بعض حقیقت ناشناس لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم (معاذ اللہ) ایک چٹھی رسان کی طرح تھے جنہوں نے خدا کا کلام لوگوں تک پہنچا دیا اور بس۔ اسی طرح دوسرے گروہ نے اسی چیز کو باعثِ عزّ و شرف سمجھ لیا کہ یہ بتایا جائے کہ حضورؐ نے جو کچھ کیا وہ ان مافوق الفطرت قوتوں کی وجہ سے تھا جو حضورؐ کے لئے مختص تھیں نتیجہ اس کا یہ کہ حضورؐ کی زندگی اُمّت کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین ماڈل) بننے کی بجائے ایک ایسا راستہ نظر آنے لگ جاتی ہے جس پر چلنا انسانوں کے

بس کی بات نہ ہو۔ جس طرح ان قوانین پر عمل پیرا ہونا ممکن نہیں جنہیں "شریعتِ محمدیؐ" کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اُمّت کے لئے نہ سیرتِ محمدیؐ خضرِ راہ بن سکتی ہے نہ شریعتِ محمدیؐ ضابطۂ زندگی۔ اور چرچا ان دونوں کا اس شدومد سے ہوتا ہے کہ بایدوشاید!

حضورؐ کی حیاتِ رسالت کو دو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک مکّی زندگی، دوسری مدنی۔ مکی زندگی صعوبات اور مشکلات کی زندگی ہے اور مدنی زندگی وہ ہے جس میں حضورؐ مملکت کے سربراہ تھے۔ مدنی دور میں بھی آپ نے جس انداز کی زندگی بسر کی کتبِ تاریخ و سیر اس پر کافی روشنی ڈالتی ہیں (مولانا) شبلیؒ نے اپنی سیرت کی پہلی جلد میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ

> مصنفینِ یورپ کا عام خیال ہے کہ آنحضرتؐ جب تک مکہ معظمہ میں تھے تو پیغمبر تھے۔ مدینہ پہنچ کر پیغمبر سے بادشاہ ہوگئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگین ہوجانے پر بھی فاقہ کش رہے۔ صحیح بخاری باب الجہاد میں روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تین صاع جو پر گرو تھی۔ جن کپڑوں میں آپ نے وفات پائی ان میں اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تمام عرب حدودِ شام سے لے کر عدن تک فتح ہوچکا ہے اور مدینہ کی سرزمین میں زروسیم کا سیلاب آچکا ہے ... حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وَلَا یُطْوٰی لَہٗ ثَوْبٌ کبھی آپ کا کوئی کپڑا تہہ کرکے نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا۔ دوسرا نہیں ہوتا تھا جو تہہ کرکے رکھا جا سکتا۔ گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ اور رات کو تو اکثر آپؐ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا۔ پیہم دو دو مہینے تک گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ حضرت عائشہؓ سے جب ایک موقع پر یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیرؓ نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولیں پانی اور کھجور پر۔ البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیج دیتے تھے تو پی لیتے تھے۔ آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہیں دیکھی تھی۔ میدہ جس کو عرب میں حواری اور نقی کہتے ہیں کبھی نظر سے نہیں گذرا۔ سہل بن سعدؓ جو اس واقعہ کے راوی ہیں ان سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا آنحضرتؐ کے زمانہ میں چھلنیاں نہیں تھیں، بولے نہیں۔ لوگوں نے کہا کہ پھر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے۔ بولے منہ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے۔ جو رہ جاتا اسے گوندھ کر پکا لیتے تھے۔
>
> حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی۔ ایک دفعہ ایک شخص خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہوں۔ آپؐ نے ازواجِ مطہراتؓ میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیج دو۔ جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔ آپؐ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا۔ مختصر یہ کہ آٹھوں گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی۔
>
> حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ ایک دن خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپؐ نے شکم کو کپڑے سے کس کر باندھا ہے سبب پوچھا تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھوک کی وجہ سے۔ (ص ۳۴۹ تا ۳۵۲)

آپ نے دیکھا کہ ان تفاصیل کی رو سے حضورؐ کی زندگی حکمرانی کے زمانہ میں بھی نہ صرف سادگی کی زندگی تھی بلکہ انتہائی عسرت بلکہ فقروفاقہ کی زندگی تھی، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ کی زندگی کا نقشہ ایسا کیوں تھا؟ عام طور پر بتایا جاتا ہے

کہ حضورؐ نے اپنے لئے فقر و فاقہ کی زندگی کو پسند کیا تھا کیونکہ مرفہ الحالی اور فارغ البالی کی زندگی سے آپؐ کو نفرت تھی۔ لیکن بادنیٰ تفکر یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس قسم کی ... عسرت و افلاس اور فقر و فاقہ کی زندگی جو رہبانیت کی دوسری شکل ہے اسلام کی روح کے منافی ہے۔ اس لئے اس کی مذکورہ بالا توجیہہ صحیح قرار نہیں پاسکتی۔ سادگی اور شے ہے اور فقر و فاقہ بالکل دوسری شے۔ اس کی صحیح توجیہہ سمجھ میں نہیں آسکتی جب تک وہ مشن ہمارے سامنے نہ ہو جسے قرآن نے متعین کیا تھا اور جسے حضورؐ عملی شکل میں لانا چاہتے تھے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جائے جس میں تمام افرادِ معاشرہ کے رزق کی ذمہ داری نظامِ معاشرہ پر ہو جسے عام طور پر مدنی دور کی حکومت کہا جاتا ہے وہ درحقیقت اسی قسم کے معاشرہ کے قیام کی اوّلین کوشش تھی۔ سطحِ بین نگاہیں لاکھوں مربع میل پر مشتمل حکومت اور اموالِ خراج و غنیمت تو دیکھتی ہیں لیکن انہیں وہ ذمہ داریاں دکھائی نہیں دیتیں جو نظامِ ربوبیت کے داعی کے سر پر عائد ہوتی ہیں۔ حضورؐ کے پیشِ نظر اس لاکھوں میل کی مملکت کے دائرے میں بسنے والے وہ لکھوکھا افراد تھے جنہیں نہ کھانے کو روٹی ملتی تھی نہ پہننے کو کپڑا۔ فقر و فاقہ نے ان کی زندگی کو عام انسانی زندگی کی سطح سے بھی پست کر رکھا تھا۔ اس نظام کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے تمام افراد کی ضروریاتِ زندگی کا بہم پہنچانا حضورؐ اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے، جب اس ذمہ داری کی کیفیت، وکمیت کو دیکھا جائے تو اس نوزائیدہ مملکت کے ذرائع اور محاصل قطعاً اس کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے کہ تمام افرادِ مملکت بہمہ وجوہ فارغ البالی اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکتے، اور چونکہ اس نظام میں مملکت کا سب سے بڑا رکن اُس وقت کھاتا ہے جب اسے اطمینان ہو کہ تمام افرادِ مملکت نے کھانا کھا لیا ہے اور اس وقت پہنتا ہے جب اسے یقین ہو کہ ہر فرد کو کپڑا میسر آچکا ہے، اس لئے اس کی اپنی زندگی مملکت کے غریب تر فرد کی زندگی ہوتی ہے۔ یہ زمانہ تو پھر بھی مملکت کے آغاز کا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں جب سلطنت کی وسعتیں دور دراز تک پھیل چکی تھیں خود خلیفہ کے تہہ بند میں بارہ بارہ پیوند نظر آتے تھے اور انہوں نے اعلان کر رکھا تھا کہ عمرؓ گیہوں کی روٹی اس وقت کھائے گا جب اسے یقین ہو جائے کہ مملکت کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی مل رہی ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں افرادِ مملکت کو روٹی ملنے لگ گئی تھی، لیکن جَو کی۔ اس لئے خلیفۃ المسلمین جَو کی روٹی کھا لیتا تھا، رسول اللہ کے زمانہ میں ساری مملکت کے افراد کو پیٹ بھر کر روٹی نہیں مل سکتی تھی، اس لئے سربراہِ مملکت کو فاقے کرنے پڑتے تھے۔ اس لئے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے آپ اس وقت پیٹ بھر کر کھا سکتے تھے جب آپ کو یقین ہو جاتا کہ مملکت کے ہر فرد کو پیٹ بھر کر روٹی مل رہی ہے۔

یہ ہے صحیح توجیہہ اس حقیقت کی کہ حضورؐ حکومت مل جانے کے بعد بھی انتہائی عسرت کی زندگی کیوں بسر کرتے تھے؟ یہ رہبانیت و خانقاہیت کے فقر و فاقے نہیں تھے بلکہ نظامِ ربوبیت کے داعی کی ذمہ داریوں کا نتیجہ تھا۔ آپ غور کیجئے کہ اس سے بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ہے۔ اور اگر اس حقیقت کو اس پس منظر میں دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تو حضورؐ کا یہ اسوۂ حسنہ نظامِ سرمایہ داری کی کچلی ہوئی مظلوم انسانیت کے لئے کس طرح خراماں خراماں ارم بن جاتا ہے۔

اسی سلسلہ کی اگلی کڑی وہ روایات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ

مرض الموت کے ایام میں حضورؐ کے پاس سات دینار تھے اور حضورؐ فرماتے تھے کہ انہیں صدقہ کر دو، لیکن اس کے بعد حضورؐ پر غشی طاری ہو گئی اور سب لوگ آپؐ کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے۔ آپ کو ہوش آیا تو فرمایا، وہ دینار لے آؤ، دینار کو حضورؐ نے اپنے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ محمدؐ کا اپنے رب پر کیا گمان ہوگا جبکہ وہ اپنے

رب سے ملے اور اس کے پاس یہ ہوں۔ پھر حضورؐ نے انہیں خود صدقہ کر دیا۔ (یعنی بیت المال میں بھیج دیا)
(اصح السیر حکیم دانا پوری)

یہ بھی درہم و دینار سے لیے جانہ نفرت کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ قرآن کی اس تعلیم کا آئینہ دار تھا جس کی رُو سے فاضلہ دولت کو اپنے پاس رکھا ہی نہیں جا سکتا قرآن کے اسی ارشاد کا نتیجہ تھا کہ حضورؐ نے عمر بھر فاضلہ دولت کبھی اپنے پاس نہیں رکھی۔ آخری دنوں میں یہ سات دینار کہیں سے آ گئے تھے اور چونکہ وہ اپنی ضروریات سے زیادہ تھے اس لئے انہیں دوسروں کی ضروریات پورا کرنے کے لئے دے دیا تھا۔ سو دیدیا قرآنی نظام معاشرہ کا نقشہ ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی خواہ وہ ایک دینار ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں ہر فرد پوری جانفشانی سے محنت کرتا ہے اور جو کچھ پیدا ضرورت سے ہوتا ہے اسے نوعِ انسانی کی بہبود کے لئے مملکت کی تحویل میں دیدیتا ہے۔ مملکت اس سے تمام ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کا انتظام کرتی ہے۔

اسی سلسلہ کی اگلی کڑی وہ ہے جس میں ہمارے سامنے اس قسم کی روایات آتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا وَّلَا شَاةً وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا اَوْصٰى بِشَيْئٍ۔ (رواہ مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری، نہ اونٹ، اور نہ کسی چیز کی وصیت کی۔

امّ المؤمنین حضرت جویریہؓ کے بھائی عمروؓ بن الحارث کی روایت بخاری میں ہے:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهٗ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً۔ (ص۵۲۵)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت نہ دینار چھوڑا نہ درہم، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ کوئی چیز سوائے اپنے ایک سفید خچر کے اور اپنے ہتھیار کے اور اس زمین کے جسے آپ نے صدقہ کر دیا تھا۔

علامہ شبلیؒ نے متروکات کے عنوان کا آغاز ہی ان الفاظ سے کیا ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات اور جائداد میں سے کیا کیا چیزیں ترکہ میں چھوڑیں؟ اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی میں اپنے پاس کیا رکھتے تھے جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے اور اگر کچھ تھا بھی تو اس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے کہ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ ہمارا کوئی وارث نہیں جو چھوڑا وہ عام مسلمانوں کا حق ہے۔ (ص۱۸۵)

ہمارے سیرت نگار اور واعظ حضرات بیان کرنے کو تو ان روایات کو بیان کر دیتے ہیں لیکن اس کے بعد اس احساس سے گھبرا اٹھتے ہیں کہ اگر کسی نے یہ پوچھ لیا کہ اگر سنتِ رسول اللہ اور اسوۂ حسنہ یہی ہے تو پھر آپ حضرات جو بتاتے ہیں کہ اسلام میں نہ بے شمار دولت جمع کرنے پر کوئی پابندی ہے اور نہ زمین پر بے حد و بے نہایت ذاتی ملکیت پر کسی قسم کی کوئی قید۔ بے شمار دولت اور حدود فراموش جائیدادوں کو اپنے قبضہ میں بھی رکھا جا سکتا ہے اور پھر انہیں بطور ترکہ بھی چھوڑا جا سکتا ہے تو اس کے جواز کی صورت کیا ہے؟ اس گھبراہٹ سے بچنے کے لئے وہ اس قسم کی توجیہات پیش کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ احکام رسول اللہؐ کی ذات سے مختص تھے، عام مسلمانوں کے لئے نہیں ہیں۔ یا یہ کہ جس قسم کی مثالی زندگی رسول بسر کرتا ہے اُمت کے لئے اس تک پہنچنا کیسے ممکن ہے؟ یہ توجیہات اس کشمکش سے نکلنے کی ناکام کوشش ہے جو۔

رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کے مذکورہ بالا نقشے اور ان کے پیش کردہ مروّجہ مذہب میں تضاد سے پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کا طالب علم جانتا ہے کہ جو چند احکام حضورؐ کی ذات سے مختص تھے اور دوسرے مسلمانوں پر ان کا اطلاق نہیں ہوتا تھا (مثلاً حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کا امہات المؤمنین ہونا) وہ قرآن کے اندر بصراحت مذکور ہیں۔ اگر مذکورہ بالا روایات کے احکام بھی حضورؐ کی ذات سے مختص ہوتے تو ان کا ذکر بھی قرآن میں آتا۔ چونکہ قرآن میں ان کا ذکر کہیں نہیں اس لئے یہ کہنا صحیح نہیں کہ یہ احکام حضورؐ کی ذات سے مختص تھے۔ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح

نہیں کہ جس راستہ پر رسول چلتے تھے اُمت کے لئے اس راستہ پر چلنا ممکن نہیں تھا جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے اگر رسول اللہؐ کی زندگی کو اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ نہیں بننا تھا تو کتاب کے ساتھ رسول بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اصل یہ ہے کہ یہ کشمکش اور گھبراہٹ اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ ان حضرات کے سامنے قرآن کا وہ نظام نہیں جسے متشکل کرنے کے لئے حضورؐ نے اپنی زندگی وقف کی تھی جس نظام میں فاضلہ دولت کسی فرد کے پاس رہتی نہیں اس میں جائدادیں بنانے یا زر و سیم کے ڈھیر ترکہ میں چھوڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں قرآن کے وراثت کے احکام اس دور سے متعلق ہیں جب قرآنی نظام قائم نہ ہو۔ قرآنی نظام کی موجودگی میں یہ احکام اسی طرح پیچھے ہٹ جاتے ہیں جس طرح پانی مل جانے کی صورت میں تیمم کے احکام التوا میں چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہؐ نے قرآنی نظام قائم کیا تھا اس لئے آپ کا طرزِ عمل اور ارشادات اس کا فطری نتیجہ تھے۔ غور کیجئے کہ اگر نبی اکرمؐ کی سیرتِ طیبہ کے ان گوشوں کو قرآنی نظامِ ربوبیت کے پس منظر میں پیش کیا جائے تو دنیا کا کونسا انسان ہے جو موجودہ "ازموں" کو چھوڑ کر دامنِ محمدیؐ کے تحت مسکراتی ہوئی جنت میں پناہ لینے کے لئے بیتابانہ آگے نہیں بڑھ آئے گا؟ سوچئے کہ کیا اس وقت [illegible]لمان مملکتوں کو بےکسی و بےبسی کی تصویر بنے، کبھی امریکہ کی طرف اور کبھی روس کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش آئے گی؟

یہ بھی واضح رہے کہ یہ چیز قرآنی معاشرہ کی لازمی شق نہیں کہ اس میں سربراہِ مملکت اور دیگر اربابِ حل و عقد کی زندگی فقر و فاقہ اور عسرت و افلاس کی زندگی ہوگی۔ اس کی لازمی شق یہ ہے کہ اس میں ان ذمہ دار حضرات کا معیارِ زیست وہی ہوگا جو ملک کے عام افراد کا ہوگا۔ جوں جوں عوام کا معیار بلند ہوتا جائے گا "خواص" کا معیار بھی بلند ہو جائے گا۔ اس میں جس قسم کی آسائشیں اور فراوانیاں ذمہ دار حضرات اپنے لئے چاہیں گے، انہیں وہ آسائشیں اور فراوانیاں پہلے عوام کے لئے مہیا کرنی ہوں گی۔ جب وہ عوام کو میسر آجائیں گی تو پھر ان خواص کے لئے بھی جائز قرار پا جائیں گی۔ یہ تھا معاشرہ کا وہ نقشہ جسے محمد رسول اللہ والذین معہٗ نے قائم کر کے دکھایا لیکن جسے اس مذہب نے جو بعد میں ہمارے ہاں مفاد پرستی نے وضع کیا "روحانی دنیا کا خواب" کہہ کر الگ ہٹا دیا اور اس کے بعد اس کے فقط تذکرے واعظوں کی زبان پر رہ گئے تاکہ وہ مفلس اور نادار عوام کو یہ کہہ کر افیون پلاتے رہیں کہ تم اس غریبی اور ناداری سے قطعاً ملولِ خاطر نہ ہو۔ یہ زندگی تو وہ ہے جسے اُمت کے سردار خدا کے پیارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اختیار کیا تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ملک کی دولت چند خاندانوں میں سمٹ کر جمع ہو رہی ہے اور عوام نانِ شبینہ تک کے بھی محتاج ہیں اور اس کے باوجود ہماری مسانید دعوت و ارشاد سے غلغلہ ہائے تہنیت بلند ہوتے ہیں کہ بحمد اللہ اسلام کا فروغ ہو رہا ہے۔ یاد رکھئے اسلام کا فروغ اس وقت ہوتا ہے جب اس میں کوئی اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے لئے کسی کا محتاج نہ رہے اور یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی جب تک مملکت ان خطوط پر متشکل نہ ہو جنہیں قرآن نے متعین کیا اور جن پر نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھوں نے دین کی عمارت استوار کی تھی۔ دنیا کے کسی اور نقشہ کو اسلام قرار دینا اسلام کے نام پر بہت بڑا فریب ہے۔ دنیا اس اسلام کے لئے جس قدر مضطرب و بے قرار آج ہے اس سے پہلے شاید کبھی نہ تھی۔ دیکھیں۔ اس صحیح محمدیؐ اسلام کو پھر سے عملاً قائم کرنے کی سعادت کس کے حصہ میں آتی ہے؟

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
مسکیں و لکم ماندہ دریں کشمکش اندر

اس وقت تو میلاد النبیؐ کی محافل اسی حسرت بھری پکار کی نقیب ہوتی ہیں (اگرچہ ظاہری شان و شوکت میں ایوانِ خسروی کی رقیب!) ...... یہی ہیں وہ محافل جنہیں دیکھ کر اقبالؒ نے بصد اندوہ کہا تھا کہ

تا ندادی از محمدؐ رنگ و بو
از درودِ خود میالا نام او

بزمِ انجم

(بزمہائے طلوعِ اسلام کے نمائندگان کا اجتماع)

طلوعِ اسلام کی طرف سے پیش کردہ قرآنی فکر کے پروگرام میں اس کی سالانہ کنونشنوں کو خاص مقام حاصل تھا۔ افسوس کہ ملک کے نامساعد حالات کے پیشِ نظر گذشتہ چار سال سے کنونشن کا اجلاس نہیں ہو سکا جس کی کمی نہ صرف متوسلین تحریکِ طلوعِ اسلام ہی شدت سے محسوس کرتے ہیں، بلکہ فکرِ قرآنی سے دلچسپی رکھنے والے دیگر ہزارہا اربابِ ذوق بھی۔ اس کمی کو کسی حد تک پورا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً بزموں کے نمائندوں کے اجتماعات منعقد ہوتے رہتے ہیں۔ حالیہ اجتماع ۲۶، ۲۷ نومبر ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوا۔ دور دراز سے آنے والے احباب ۲۵ نومبر ہی کو تشریف لے آئے۔ باقی نمائندگان کی آمد کا سلسلہ ۲۶ کی صبح سے شروع ہو گیا۔ اس طرح یہ صحن ادارہ رشکِ صد گلکدہ بن گیا۔ کوئٹہ سے پشاور اور کراچی سے مردان بلکہ کویت تک کی بزموں کے نمائندگان، خلوص و محبت کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے، شریکِ اجتماع ہوئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پہلا اجلاس شروع ہوا جس میں بانیٔ تحریک محترم پرویز صاحب نے، قرآنی فکر کے حوالہ سے ملک کے حالات، اور تحریک کے پیشِ نظر مقاصد اور ان کے بروئے کار لانے کے پروگرام پر تفصیل روشنی ڈالی چونکہ یہ اجتماع قریب ایک سال کے بعد منعقد ہو رہا تھا اس لئے یہ تفصیل بڑی سیر حاصل تھی جس سے بہت سے عقدے کشا ہوئے، بہت سے ابہامات کی وضاحت ہوئی۔ بہت سے نئے گوشے وا ہوئے، اور تحریک کی کارفرمائی کے بہت سے جدید پہلو سامنے آئے۔

دوسری نشست، بعد نمازِ مغرب، بزم کراچی کے نمائندہ، محترم محمد اسلام صاحب کی زیرِ صدارت منعقد ہوئی جس میں ادارہ کے شعبۂ تنظیم و اشاعت کے روحِ رواں شیخ عبدالحمید صاحب نے، سال بھر کی کارگذاری کی رپورٹ پیش کی اور آئندہ کے پروگرام کی تجاویز۔ اس اجلاس کی کاروائی میں، شرکاء نے حسبِ معمول بڑی گرم جوشی سے حصہ لیا جس سے نظر آیا کہ، اجتماعات کی کمی کے باوجود، وابستگانِ فکرِ قرآنی کی رگوں میں خونِ زندگی کی حرکت و حرارت تیز تر ہو رہی ہے۔ یہ نشست دیر تک جاری رہی۔

ان احباب کا قیام ادارہ میں ہوتا ہے، اور اتنے عرصہ کے بعد جو یہ باہم ملتے ہیں، تو پھر راتوں کو سوتا کوئی نہیں۔ ان کی یہ شبینہ محفلیں درحقیقت حاصلِ اجتماع ہوتی ہیں۔ دوسری صبح ناشتہ کے بعد، یہ احباب درسِ قرآن میں شریک ہوئے، اور پھر، چار ماہ کے بعد دوبارہ ملنے کے وعدہ پر، باچشمِ نم رخصت۔

تحریکِ فکرِ قرآنی سے وابستگان درحقیقت درویشوں کی جماعت ہے جن میں اکثر و بیشتر ایسے ہیں جن کی کمائی ان کے گذارہ کے لئے بھی بمشکل کفایت کرتی ہے۔ بایں ہمہ، جب وہ اس تحریک کے فروغ کے پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے اپنی گرہ سے خرچ کرتے ہیں —— کسی ستائش کی تمنّا یا صلہ کی امید کے بغیر —— حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ تحریک ہے جس سے کسی قسم کا دنیاوی مفاد وابستہ نہیں، نہ مال و دولت کے لحاظ سے، نہ جاہ و منصب کے اعتبار سے۔ مال سکے اگر کچھ ملتا ہے تو کذب و افترا پر مبنی تہمتوں، اور خود وضع کردہ لیبلوں کے تیر و نشتر جنہیں یہ نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کرتے ہیں۔ خدا، بارگاہِ قرآنی کے ان گداؤں کو جنہیں مبداءِ فیض نے دماغِ خسروی عطا کر رکھا ہے زندہ و تابندہ رکھے، کہ انہی کے دم سے قرآنِ خالص کی آواز دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل رہی ہے۔

(ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام)

باسمہٖ تعالیٰ

خطاب بتقریب یومِ پیدائش قائدِ اعظمؒ

تحریکِ پاکستان کے مخالف علماء

انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ کیسے لیا.....؟

پرویز

باسمہٖ تعالیٰ

خطاب بتقریب یومِ پیدائش قائدِ اعظمؒ

تحریکِ پاکستان کے مخالف علماء

(انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ کیسے لیا؟)

پرویز

عزیزانِ من! السلام علیکم۔

آج کے درس میں مجھے وہ کچھ دُہرانا پڑ رہا ہے جسے میں تقسیمِ ہند سے پہلے اور گذشتہ تیس سال سے پاکستان میں پیش کرتا چلا آ رہا ہوں۔ مجھے اس تکرار کے لئے کسی معذرت خواہی کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایسی بنیادی حقیقت ہے جسے سمجھے اور عمل میں لائے بغیر وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جس کے لئے مملکتِ پاکستان متشکل کی گئی تھی۔

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت، انگریز اور ہندو نے کی تھی اور انہی کے خلاف ہماری جنگ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت انگریز اور ہندو کی طرف سے ہوئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی مخالفت اُن سے کہیں زیادہ اور شدید، ہمارے علماءِ کرام کی طرف سے ہوئی تھی۔ اگر ان کی طرف سے مخالفت نہ ہوتی تو نہ پاکستان کے حصول میں اس قدر دشواریاں پیش آتیں، نہ سرحد اور آسام میں ریفرنڈم ہوتا۔ نہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوتی۔ نہ کشمیر ہمارے ہاتھ سے جاتا۔ نہ ہی لاکھوں کی تعداد میں ہماری جانیں تلف ہوتیں۔ نہ ہی ہماری عزتیں لٹتیں اور عصمتیں برباد ہوتیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ آج تک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی جس میں اس موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی ہو۔ میں اسے بار بار اس بنا پر دہراتا ہوں کہ میں نہ صرف اس جنگ میں ایک سپاہی کی طرح شریک تھا بلکہ علماء حضرات کی طرف سے مخالفت کی مدافعت کا فریضہ میرے سپرد تھا۔ جب کبھی تحریکِ پاکستان کی صحیح تاریخ مرتب ہوگی تو طلوعِ اسلام کے فائل اس کے مستند ماخذ ہوں گے۔

جیسا کہ واضح ہے، اس جنگ میں ایک طرف علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ تھے اور دوسری طرف (چند مستثنیات کے سوا) تمام علماءِ کرام، بالخصوص علماءِ دیوبند۔ سوال یہ ہے کہ اس جنگ میں بنائے مخالفت کیا تھی؟

بنائے مخالفت

بنائے مخالفت یہ تھی کہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ ایک ایسی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حکمرانی حقیقی اسلام کی ہو، اور علماء حضرات اس کے مخالف تھے۔

نظر بظاہر یہ بات عجیب سی لگے گی کہ علماء حضرات، جو اسلام کی علمبرداری اور نمائندگی کے مدعی ہیں اور جن کی ہستی کی وجہ جواز ہی یہ ہے، وہ ایسی مملکت کے حصول اور قیام کے مخالف کس طرح ہو سکتے تھے جو اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے حاصل کی جا رہی تھی! آپ کا تعجب بالکل بجا اور درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہ اسلام کا صحیح تصور ہے، نہ کسی عقیدہ، مسلک، مشرب یا شعار کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے متعلق کوئی متعین معیار، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے کسی بات کو اسلامی کہہ دیتا ہے، جس کا جی چاہتا ہے اسے غیر اسلامی قرار دے دیتا ہے۔ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کا کہنا یہ تھا کہ جس اسلام کے علمبردار یہ علماء حضرات ہیں، وہ حقیقی اسلام نہیں۔ ہمارے دورِ ملوکیت کا وضع کردہ اسلام ہے۔ اور علماء صاحبان اس اسلام کو جسے اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ پیش کرتے تھے، کفر سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر کئے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے تصور کے اسلام کی رو سے، پاکستان میں جو حکومت قائم ہوگی، وہ "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت" ہوگی۔ یہ بات غور سے سمجھنے کی ہے کہ وہ متضاد اسلام کیا تھے اور ان میں حقیقی اسلام کونسا تھا۔

قرآن کریم نے یہ کہہ کر، کفر اور اسلام میں واضح اور متعین خطِ امتیاز کھینچ دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو لوگ قرآن کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

اسلامی حکومت

اس سے واضح ہے کہ جو حکومت قرآن کریم کے مطابق قائم ہوگی اور اس کے قوانین و احکام بھی اسی کے مطابق ہوں گے، اسے اسلامی حکومت کہا جائے گا۔ جو اس معیار پر پوری نہیں اترے گی، وہ غیر اسلامی ہوگی، خواہ کہنے والے اسے لاکھ اسلامی کہیں۔ لیکن قرآن کریم کی صورت یہ ہے کہ اس میں (بجز چند احکام) ایسے اصول دیئے گئے ہیں جو زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہیں۔ یہ اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ اسلامی مملکت، ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، انہیں بروئے کار لانے کے طریق، امت کے مشورہ سے خود وضع کرے گی۔ یہ اصول اور حدود ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے، لیکن انہیں بروئے کار لانے کے لئے جو جزئی احکام وضع کئے جائیں گے وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے۔
(علامہ اقبالؒ کی اصطلاح کے مطابق) ثبات و تغیر کے اس حسین امتزاج سے، اسلام، ابد الآباد تک ایک زندہ نظامِ زندگی کی صورت میں رواں دواں رہے گا۔ حضور نبی اکرمؐ والذین معہ، (یعنی صحابہ کبارؓ) نے اسی اسلام کو عملاً قائم کیا تھا۔ اس دور میں ابدی اور غیر متبدل صرف کتاب اللہ کی قائم کردہ حدود کو سمجھا جاتا تھا۔ مملکت کے وضع کردہ جزئی قوانین و احکام قابلِ تغیر و تبدل ہوتے تھے۔

ملوکیت کا دور

یہ نظام کچھ عرصہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد ملوکیت آگئی۔ ملوکیت سے مراد ہے ایسی حکومت، جو قرآن کے منشاء کے مطابق، امت کے مشورہ سے قائم نہ ہو، بلکہ بزورِ شمشیر مسلط کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس حکومت کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں تھا جس کی بنیاد ہی غیر اسلامی ہو، وہ حکومت اسلامی کیسے کہلا سکتی ہے، اور اس کے وضع کردہ احکام اسلامی شریعت کیسے

قرار پاسکتے ہیں؛ یہ مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس کے قوانین و احکام سیکولر۔ اس وقت سے آجتک ہماری (مسلمانوں کی) حکومتوں کی یہی کیفیت چلی آرہی ہے۔ ان سلاطین نے امورِ مملکت اپنے ہاتھ میں رکھ لئے تھے، اور افراد کی نجی زندگی کے متعلق امور کو علماء کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس کے لئے اس زمانے کے ماہرین قوانین نے کچھ قوانین مرتب کئے، انہیں فقہی قوانین کہا جاتا ہے۔ ان میں سے حکومت جن قوانین کو مفیدِ مطلب سمجھتی بطور قانونِ مملکت نافذ کر دیتی اور یوں اپنے آپ کو، یا دوسروں کو فریب میں مبتلا کر دیتی کہ وہ اسلامی ہے۔

ان قوانین کی کیفیت یہ تھی کہ

(۱) مختلف فقہاء نے اپنی اپنی فقہیں الگ الگ مرتب کی تھیں۔ تعداد کے لحاظ سے تو یہ بکثرت تھیں لیکن ان میں سے اس وقت صرف چند ایک مشہور اور مروج ہیں۔ شیعوں کی فقہ جعفری اور سنیوں کی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہ۔ ہر فقہ کا ماننے والا ایک الگ فرقہ سے متعلق ہوتا ہے۔ ان فرقوں کے باہمی اختلافات کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگائیے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ (نام نہاد) تحریک نظامِ مصطفےٰ کے سلسلہ میں متحدہ محاذ قائم کیا گیا تھا جس میں مختلف فرقوں کے علماء شامل تھے۔ روزوں کی ایک شام یہ حضرات، (مرحوم) چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی پر افطار کے لئے جمع تھے۔ افطار میں تو یہ ایک میز پر جمع تھے لیکن اس کے بعد جب یہ نماز کے لئے اٹھے تو (مرحوم) مفتی محمود اپنے ہم فرقہ نمازیوں کو لے کر ایک طرف کو ہو لئے اور (مولانا) نورانی دوسری طرف۔ اور

نمازیں الگ الگ

اس طرح ایک ہی آن میں دو الگ الگ جماعتیں ہوئیں۔ مفتی محمود اور مولانا نورانی میں شیعہ سنی کا فرق نہیں تھا۔ دونوں سنی تھے۔ نہ ہی ان میں اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ کا فرق تھا۔ دونوں اہلِ فقہ تھے۔ پھر ان میں حنفی، شافعی فقہ کا بھی فرق نہیں تھا۔ دونوں حنفی فقہ کے پابند تھے۔ دونوں میں چند فروعی عقائد کا اختلاف تھا جن کی وجہ سے، ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے تو ایک طرف رہا۔ ایک دفعہ (مولانا) نورانی صدر جنرل ضیاء الحق سے ملنے کے لئے گئے۔ دورانِ ملاقات صاحبِ صدر نے ان سے کہا کہ انہیں یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ہر فرقہ کے امام کے پیچھے نماز ادا کر لیتے ہیں۔ نورانی صاحب نے کھٹ سے جواب دیا کہ آپ تک یہ خبر غلط پہنچی ہے۔ ہر ایک امام تو ایک طرف، ہم تو امامِ کعبہ کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے (کیونکہ وہ اہلِ حدیث ہیں)۔ جن فقہوں کی رُو سے باہمی اختلافات کا یہ عالم ہو، آپ سوچئے کہ ان کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے مملکت کے لئے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین کا مرتب ہو جانا کسی طور بھی ممکن ہو سکتا ہے؟ مملکت (STATE) کے مملکت ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں ایک ضابطۂ قوانین ہوتا ہے جس کا نفاذ سب پر یکساں ہوتا ہے۔ اگر کسی مملکت میں مختلف گروہوں کے لئے مختلف ضوابطِ قانون ہوں، تو وہ ایک مملکت کہلا ہی نہیں سکتی۔ ان علماء کا یہی باہمی اختلاف تھا جس کی طرف قائدِ اعظمؒ نے نہایت لطیف اور عمیق انداز میں اشارہ کیا تھا۔ دسمبر ۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ علماء کا ایک تبلیغی وفد قائدِ اعظمؒ

سے ملنے کے لئے آیا۔ دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر آپ مسلم لیگ کے پنڈال میں نماز کے وقت جلسہ ملتوی کر کے وہیں نماز باجماعت ادا کر لیا کریں۔ اس سے غیر مسلموں پر بڑا رعب پڑے گا۔ قائدِ اعظمؒ نے فرمایا کہ معاف فرمائیے! میں آپ کی اس تجویز پر عمل کرنے سے معذور ہوں۔ پوچھا کیوں، تو انہوں نے فرمایا کہ آپ نماز باجماعت کا کہتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں امام کس کو بناؤں۔

میں امام کس کو بناؤں

اگر میں خود امام بنوں تو ممکن ہے سب لوگ میرے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ اس لئے کسی دوسرے کو امام بنانا پڑے گا۔ اگر امام دیوبندی ہو گا تو بریلوی اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ اگر بریلوی ہو گا تو دیوبندی نہیں پڑھیں گے۔ اور الگ الگ جماعتوں سے غیر مسلموں کے دلوں پر رعب پڑنے کے بجائے ان کی نظروں میں مسلمانوں کا اختلاف نمایاں ہو جائے گا۔ میں اس وجہ سے آپ کی تجویز پر عمل پیرا ہونے سے معذور ہوں۔ (بحوالہ "اسلام اور قائدِ اعظمؒ" از محمد حنیف شاہد۔ صـ۳۵) آپ نے غور فرمایا کہ قائدِ اعظمؒ نے اشاروں ہی اشاروں میں کس طرح اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ فقہ پر مبنی اسلام، کس طرح ایک اسلامی مملکت کا ضابطہ، دستور و قوانین قرار نہیں پا سکتا۔

(۲) یہ ان قوانین کا پہلا نقص ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ جن فقہا نے انہیں مرتب کیا تھا، وہ ہزار متقی اور پرہیزگار سہی لیکن یہ بہرحال دورِ ملوکیت میں وضع ہوئے تھے، اس لئے ملوکیت کی پیدا کردہ فضا

ملوکیت کا اثر

سے ان فقہا کا (شعوری نہ سہی، غیر شعوری پر) متاثر ہو جانا فطری امر تھا۔ اسی فضا کا اثر تھا کہ یہ حضرات عقیدہ کی رُو سے، بزورِ شمشیر حاصل کردہ موروثی بادشاہت کو قاطع اسلام قرار دیتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان سلاطین سے ایسا نہیں کہا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے ان بادشاہتوں کو خلاف اسلام قرار نہیں دیا..... یہ محراب و منبر سے ان کے حق میں ایدہ اللہ بنصرہ اور خلد اللہ ملکہ (خدا اس مملکت کو اپنی تائید و نصرت سے مستحکم رکھے) کی دعائیں مانگتے رہے حتیٰ کہ فقہ حنفی میں یہ فتویٰ موجود ہے کہ سربراہِ مملکت قتل کے سوا جو جرم بھی کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں۔ (ہدایہ اولین مجیدی صـ۴۹۳)۔ ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ محدثین کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ بادشاہِ وقت سے ظلم و جور اور بے گناہ لوگوں کے قتل وغیرہ جرائم کا ارتکاب ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کرنا بھی شرعاً جائز نہیں۔ (احکام القرآن۔ جلد ۲۔ صـ۳۳) حتیٰ کہ یافعی نے اپنی تاریخ میں یزید بن عبدالملک کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ چالیس شیوخ نے آکر اس امر کی گواہی دی کہ سلاطین قیامت کے دن بغیر حساب کے بخشے جائیں گے۔ (تاریخ الیافعی صـ۲۳۴)۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ شخصی حکومتوں میں قوانین بنا ہی اسی قسم کے کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ فقہی قوانین کی رُو سے جو اسلام سامنے آئے گا اس کی شکل کس قسم کی ہو گی۔

یہ وقتی قوانین تھے

(۳) تیسری بات یہ کہ فقہی قوانین بہرحال انسانوں کے مرتب کردہ تھے۔ وہ اُس زمانے کے تقاضوں کو جس میں وہ مرتب ہوئے تھے پورا کرتے ہوں

تو ہوں، لیکن وہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدّل تو نہیں رہ سکتے تھے۔ ابدی اور غیر متبدّل تو صرف قوانینِ خداوندی ہو سکتے ہیں۔ انسانی قوانین کو کسی ایسی صفت سے متصف کر دینا جو قوانینِ خداوندی کے لئے مختص ہو، شرک ہے۔ لہٰذا یہ قوانین وقتی تھے اور قابلِ تغیر و تبدّل۔ خود وہ ائمہ فقہ جنہوں نے انہیں مرتب کیا تھا انہیں ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ان ائمہ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ (علیہ الرحمۃ) کا اسمِ گرامی سرِ فہرست آتا ہے۔ ان کے متعلق، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے :-

> امام زفر فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا کرتے تھے۔ جو کچھ امام صاحب فرماتے ہم اُسے لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن امام صاحب نے (امام) ابو یوسف سے فرمایا کہ یعقوب! تیرا ناس ہو۔ جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے سب کا سب نہ لکھ لیا کر۔ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو ابو یوسف سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو، کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں اپنے اجتہاد میں خطا کار ہوں یا مصیب۔ (تاریخ خطیب بغدادی ؛ جلد ۱۴۔ صفحہ ۲۵۲)

یہ تھی ان قوانین کی حیثیت خود ائمہ فقہ کے نزدیک۔ لیکن ان کے بعد، ان کے معتقدین نے یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ یہ قوانین ابدی اور غیر متبدّل ہیں۔ اور انہی کو اسلامی شریعت سمجھا جائے گا۔ گذشتہ ہزار سال سے مسلمانوں کی جو سلطنتیں چلی آ رہی تھیں، وہ سیکولر سٹیٹس تھیں جن میں امورِ مملکت کے متعلق حکومت کے قوانین نافذ ہوتے تھے۔ اور شخصی امور کے سلسلہ میں فقہی قوانین۔ (آج بھی ان سلطنتوں کی عام طور پر یہی حالت ہے)۔ ہندوستان میں انگریزوں کی عملداری میں بھی یہی کیفیت تھی اور تحریکِ پاکستان کے دوران بھی یہی نقشہ۔ اس تحریک کے مخالف علماء کا کہنا یہ تھا کہ ہندوستان کی جمہوری حکومت میں اسلام (یعنی ان کے تصور کے اسلام) کی آزادی ہوگی اس لئے اسلام کے احیاء کے لئے کسی جداگانہ مملکت کا مطالبہ اور قیام، اسلام کا تقاضا نہیں۔ ان علماء میں سرخیل، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیت العلماء ہند کے صدر۔ (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) تھے۔ ان کا ارشاد تھا کہ

علماء کا اسلام!

> ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسی مشترکہ آزادی، اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔
>
> (زمزم - مورخہ ۷ / جولائی ۱۹۳۸ء)

وہ فرماتے تھے :-

> کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔
>
> (مولانا مدنی کا پمفلٹ - متحدہ قومیت اور اسلام - صفحہ ۶)

یہ تھا ان حضرات کا مؤقف۔ ان کے خلاف علامہ اقبالؒ کا کہنا یہ تھا کہ یہ اسلام، حقیقی اسلام نہیں بلکہ ہمارے دورِ ملوکیت کا وضع کردہ اسلام ہے۔ اسلام کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ اس اسلام کے نقوش کو مٹا کر، لوحِ سفید پر حقیقی اسلام کے نقوش ثبت کئے جائیں، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی ایسی آزاد مملکت ہو جس میں عہدِ ملوکیت کا اسلام پہلے سے کارفرما نہ ہو۔ چنانچہ جب انہوں نے پہلے پہل (۱۹۳۰ء میں) پاکستان کا تصور پیش کیا تو اس کا مقصد یہ بتایا کہ

علامہ اقبالؒ کا اسلام کا تصوّر

اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اس پر اب تک قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔ (خطبہ الٰہ آباد)

اسی حقیقت کو انہوں نے اپنے خطبات تشکیلِ جدید میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں، ان الفاظ میں بیان کیا تھا:۔

اندریں حالات ہمارے لئے کشاد کار کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ آئینۂ اسلام پر غیر اسلامی زنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں، اور جس کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے۔ اور حریت، عالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سرِ نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی، اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔ (چھٹا خطبہ)

تحریکِ پاکستان کے مخالفین میں دوسرا گروہ تھا جو کہتا تھا کہ اگر ایک الگ مملکت قائم ہی کرنی ہے تو اس کا اقتدار ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تاکہ ہم وہاں اپنے تصور کا اسلام قائم کر سکیں۔ قائدِ اعظمؒ نے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ تھیاکریسی ہے جو اسلام کے صریحاً خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے بار بار اپنے اس مؤقف کو دہرایا کہ پاکستان میں تھیاکریسی کسی حال میں نہیں ہوگی۔ انہوں نے مسلم لیگ کنونشن منعقدہ دہلی (۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء) میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

تھیاکریسی

اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھیئے! ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔

(طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۷۲ء)

انہوں نے، قیامِ پاکستان کے بعد، فروری ۱۹۴۸ء میں، بہ حیثیت گورنر جنرل، اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا تھا کہ

پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی کارفرما نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

قرآنی مملکت

اس کے برعکس انہوں نے، نہایت واضح اور متعین الفاظ میں بتا دیا کہ جس قسم کی حکومت کے لئے ہم پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کی امتیازی خصوصیت کیا ہوگی۔ یہ وضاحت انہوں نے ۱۹۴۱ء میں، عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد دکن) کے طلبار کے ایک سوال کے جواب میں کی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا:۔

> اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآن کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔
> اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔

(اورینٹ پریس بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور مورخہ ۸ فروری ۱۹۴۲ء)

اس کے بعد وہ ساری تحریک کے دوران اس حقیقت کا بار بار اعلان کرتے رہے کہ اس مملکت کا آئین اور قوانین قرآن مجید پر مبنی ہوں گے، اور اس طرح اس میں مذہبی پیشوائیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ انہوں نے تحریک کے آغاز ہی میں (۱۹۳۸ء میں) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے، نوجوانوں سے کہا تھا کہ

> مسلم لیگ نے (کم از کم) ایک کام تو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے...... اس میں شک و شبہ نہیں کہ اس نے تمہیں اس ناخوش آئند طبقہ کی جکڑ سے آزاد کرا دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا تھا

عورتوں کی آزادی

> اب جبکہ ہم نے اپنے آپ کو برٹش گورنمنٹ۔ کانگریس۔ رجعت پسند طبقہ اور مولویوں کے شکنجہ سے آزاد کرا لیا ہے، تو میں قوم کے نوجوانوں سے اپیل کرونگا کہ وہ ہماری عورتوں کو بھی آزادی دلائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے اس آزادی سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغربی معاشرہ کی خرابیوں کی نقالی کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری خواتین، نہ صرف ہماری معاشرتی زندگی میں ہمارا ساتھ دیں بلکہ ہماری سیاسی زندگی میں بھی (ہمارے ہم دوش چلیں)۔ (تقاریر۔ جلد اوّل۔ ص ۴۵)

علامہ اقبالؒ کا تو سارا کلام، ان حضرات کی مخالفت سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے (مولانا) اکبر شاہ خان۔

اقبالؒ

(نجیب آبادی مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا:

> آپ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ پیشہ ور مولویوں کا اثر سر سید احمد خان کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل فتوؤں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں

> میں پھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔ انشاءاللہ شائع ہوگا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔ بہرحال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آجکل بہت سمجھ سوچ کر قدم اٹھانا ہوگا۔
>
> (انوارِ اقبالؒ۔ شائع کردہ، اقبالؒ اکیڈمی۔ صـ ۲۱)

پھر انہوں نے ۱۹۳۲ء میں، اپنے ایک بیان میں جو روزنامہ انقلاب (لاہور) کی ۲۳ مارچ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا:

> تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند فطرتی، ملّاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قیدخانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی، بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگ جائے۔

یہ تھی عزیزانِ من! وہ بناءِ نزاع جو تحریکِ پاکستان کے دوران، اقبالؒ۔ قائدِ اعظمؒ اور مولوی صاحبان کے مابین برپا تھی۔ ان حضرات نے (جیسا کہ ان کا معمول ہے) ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر فرمائے۔

کفر کے فتوے

(ضمناً) چونکہ میں ان خیالات کا نقیب تھا اس لئے انہوں نے سب سے بڑا فتویٰ میرے خلاف جاری فرمایا۔ یہ بڑے فخر سے اعلان کیا کرتے ہیں کہ پرویز کے خلاف ایک ہزار علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ میں اس قسم کی مذہبی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا کرتا۔ لیکن ان حضرات سے اتنا ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بھی ایسا ہے جس پر کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو؟

اس کی تائید میں ان تمام فتوؤں کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ان کے ایک فرقے نے دوسرے فرقے کے خلاف عائد کئے ہیں، لیکن میں اس کی اس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہنا مجھے صرف اس قدر ہے کہ ان حضرات نے، اس اختلاف کی بنا پر، تمام مؤیدین مسلم لیگ کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے لگائے اور کہا کہ

> لیگ کی حمایت کرنا۔ اس میں چندے دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا، منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔ (رسالہ الجوابات السنیہ از مولانا اولادِ رسول)

لیکن اس تمام مخالفت کے باوجود، پاکستان وجود میں آ گیا اور اس طرح انہیں شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔

لیکن انہوں نے اپنی اس شکست کا بدلہ لینے اور جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اسے ناکام بنانے کے لئے، ایک اور تدبیر اختیار کی۔ پاکستان بننے کے بعد، یہ ہجوم کر کے اِدھر آ گئے، اور آ کر یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ چونکہ پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اور اسلام کے علمبردار ہم ہی ہیں، اس لئے یہاں ہمارے قوانین نافذ کرو۔ علامہ اقبالؒ اس سے پہلے رحلت فرما گئے تھے۔ اور قائدِ اعظمؒ چند دنوں کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے، اس لئے اب یہ کہنے والا کوئی نہیں تھا کہ یہ آپ کے تصوّر کا اسلام ہی تو تھا جس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اب اس کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں کس طرح دیدی جائے؟ ——— یہ کہنے والا، صرف یہ گنہگار تھا جس کے خلاف تیس سال سے مسلسل پراپیگنڈہ جاری ہے ——— یہ منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ سنت ہے۔ ایک الگ فرقہ بنانا چاہتا ہے جس میں تین نمازوں اور تین دن کے روزے ہوں گے اور نماز بھی اُردو میں پڑھی جائے گی۔ ان میں سے ہر الزام جھوٹی تہمت ہے جس کا اعلان بار بار کیا جا چکا ہے، لیکن جس مقصد کے لئے یہ الزامات تراشے جاتے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ وہ اسے مسلسل دہراتے جائیں۔

اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے تصوّر کے اسلام کو رائج کرنے والا تو یہاں کوئی نہ تھا لیکن یہاں قائم ہونے والی حکومتیں اچھی طرح جانتی تھیں کہ جس اسلام کے نافذ کرنے کا مطالبہ یہ حضرات کر رہے ہیں، وہ ناقابلِ عمل بھی ہے، اور (قرآن تو ایک طرف) علم و بصیرت کے خلاف بھی۔ اس لئے انہوں نے ان کے پراپیگنڈہ کی یورشوں کو تو برداشت کر لیا لیکن ان کا مطالبہ ماننے کی غلطی نہ کی۔ صدر ایوب (مرحوم) نے ایک دفعہ ان سے کہا تھا کہ آپ تمام علماء یکجا ہو کر، ایک متفق علیہ اسلامی آئین مرتب کر دیجئے۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے دستخط کر دوں گا۔ چونکہ یہ جانتے تھے کہ ایسا کیا جانا ناممکن ہے ——— جو علماء اکٹھے مل کر نماز نہیں پڑھ سکتے وہ متفق علیہ دستور کس طرح مرتب کر دیں گے! اس لئے صدر مرحوم کی پیش کش کا جواب گالیوں کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

ان حضرات نے، اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ یہ کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے، ۱۹۵۱ء میں ایک اجتماع منعقد کیا جس میں تمام فرقوں کے ۳۱ علماء شریک ہوئے۔ انہوں نے ایک ریزولیوشن پاس کیا

کتاب و سنّت کے مطابق

کہ پاکستان کا ضابطہ، قوانین کتاب و سنت کے مطابق مدوّن کیا جائے۔ یہ ریزولیوشن پاس کیا اور ڈھول پیٹنا شروع کر دیا کہ دیکھ لیجئے، ہم کس قدر متفق ہیں۔ میں نے اسی زمانہ میں کہا کہ یہ سب مغالطہ آفرینی ہے۔ کتاب و سنت کی بنیادوں پر کوئی ایسا ضابطہ، قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جسے یہ تمام حضرات متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس لئے کہ سنّت مختلف فرقوں کی الگ الگ ہے۔ اور بات بالآخر فقہ پر آ کر ٹھہرے گی۔ اس پر میرے خلاف کفر کے فتوؤں میں مزید شدّت آ گئی۔ بیس سال تک یہ پراپیگنڈہ جاری رہا، اور بالآخر ۱۹۷۰ء میں مرحوم مودودی صاحب کو جن کا نام اس ریزولیوشن پر دستخط کرنے والوں میں سرِفہرست تھا، یہ اعتراف کرنا پڑا کہ کتاب و سنّت کی بنا پر واقعی کوئی ایسا ضابطہ، قوانین مرتب نہیں ہو سکتا

جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کرلیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر ملک میں اسلامی قوانین رائج کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ انہوں نے کہا یہاں حنفی فقہ رائج کردی جائے، حالانکہ اس سے پہلے حنفی فقہ کو وہ خود "متجمد شاستر" قرار دے چکے تھے۔ (ترجمان القرآن۔ بابت محرم ۱۳۶۱ھ)

میں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ ان عملی دشواریوں کے پیش نظر سابقہ حکومتوں نے ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ موجودہ حکومت نے نظامِ مملکت کے اسلامیانے[1] (ISLAMISATION) کا عزم کیا اور سب سے پہلے، مروّجہ قوانین کو کتاب وسنّت کے مطابق مرتب کرنے کا فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کیا۔ اس کونسل (بلکہ ملک) میں اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے، اس لئے کونسل نے یہ قوانین حنفی فقہ کے مطابق ہی مرتب کرنے تھے۔ ان قوانین کی پہلی قسط، چار جرائم کی سزاؤں کی شکل میں، ۱۹۷۹ء میں ملک میں نافذ ہوئی۔ یہ چار جرائم، زنا۔ چوری۔ جھوٹی تہمت (جسے قذف کہتے ہیں) اور شراب پر مشتمل تھی۔ (فقہ کی اصطلاح میں، ان سزاؤں کو جو قرآن کریم نے خود متعین کی ہیں، حَدّ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر ان قوانین کو حدود کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (ضمناً شراب نوشی کو حدود میں شامل کرنا غلط تھا کیونکہ اس کی سزا قرآن نے متعین نہیں کی)۔ میں، اس مقام پر صرف زنا سے متعلق حدِّ جرم کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ فقہی قوانین کس قسم کے ہوتے ہیں۔

قوانین حدود

آگے بڑھنے سے پیشتر، میں اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سیاسیات میں حصہ نہیں لیتا۔ نہ ہی میرا تعلق کسی مذہبی فرقہ سے ہے۔ میں خود قانون پسند ہوں (میں نے کبھی قانون شکنی نہیں کی) اور دوسروں کو بھی قانون کے احترام کی تلقین کرتا ہوں۔ میں امورِ مملکت میں دخیل نہیں ہوتا۔ لیکن جب بات قرآن کی آجائے تو میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ جہاں، جو بات قرآن کے خلاف ہو رہی ہو، اس پر انگشت نمائی کروں اور قوم کو بتاؤں کہ قرآنِ کریم کا اس باب میں کیا ارشاد ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں، تو بارگاہِ خداوندی میں میرا مؤاخذہ ہوگا۔ یہ اسی فریضہ کا احساس اور مواخذۂ خداوندی کا خوف ہے جس کی بنا پر میں نے ان قوانین کا جائزہ لینا ضروری سمجھا ہے۔ اگر میری یہ خفیف سی آواز متعلقہ حلقوں میں سنی جائے تو ہو المراد، ورنہ میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جاؤں گا اور آنے والا مؤرّخ کم از کم اتنا تو دیکھ لے گا کہ کسی نے اس دور میں قرآن کی آواز بھی بلند کی تھی۔

(۰)

سب سے پہلی بات تو یہ کہ ان قوانین کو اسلامی کہنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی قوانین بہرحال اسلامی مملکت میں نافذ کئے جا سکتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ہماری مملکت ابھی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ جیسا کہ میں نے

---

[1] آجکل یہ اصطلاح عام طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ میرے ذہن میں اس کا ترجمہ "اسلامیانہ" ہی آتا ہے جس طرح (NATIONALISATION) کا ترجمہ "قومیانہ" کیا جاتا ہے۔

شروع میں کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسلام اور کفر میں خطِ امتیاز یہ کہہ کر کھینچا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5/44)

جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

جرمِ زنا کے متعلق قانون کا تجزیہ

(۲) جرمِ زنا کی سزا کے متعلق قرآنِ کریم میں ہے:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ... (24/2)

زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

قرآنی قوانین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ..... (6/114)

احکام و قوانینِ خداوندی صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے ہیں۔ ان میں تبدیلی کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

حتیٰ کہ رسول اللہؐ کو بھی اس کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ جب فریقِ مقابل نے حضورؐ سے کہا کہ وہ بغرضِ مفاہمت قرآنی احکام میں کچھ تبدیلی کر دیں، تو ارشادِ خداوندی ہوا:۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (10/15)

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ مجھے اس کا کوئی اختیار نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کر دوں۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، اگر میں حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کروں، تو اس کی سزا سے میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ میں اس سے ڈرتا ہوں۔

فقہ کا جو قانون رائج کیا گیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ

(۱) زانیہ عورت اور زانی مرد اگر شادی شدہ نہ ہوں تو ان کی سزا سو سو کوڑے ہے، لیکن

(۲) اگر شادی شدہ ہوں، تو ان کی سزا رجم ہے۔ یعنی سنگسار کرنا۔

قرآنِ کریم نے نہ تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مجرمین میں کوئی فرق کیا ہے، اور نہ ہی اس میں رجم کا کوئی ذکر ہے۔ یہ قرآن کے واضح اور متعین حکم میں اضافہ بھی ہے اور تبدیلی بھی۔ قرآن اسے شرک قرار دیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ (18/26)

خدا اپنے احکام میں کسی کی شراکت روا نہیں رکھتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا سے ورے ہی خدا بنا رکھا ہے، تو ایک صحابیؓ نے، جو عیسائیت ترک کر کے اسلام لائے تھے، کہا کہ یہ لوگ انہیں خدا

تو نہیں تسلیم کرتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں، یہ اسے حلال تسلیم کر لیتے ہیں، جسے وہ حرام قرار دیتے ہیں، یہ اسے حرام سمجھ لیتے ہیں؟ صحابیؓ نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی تو انہیں خدا بنا لینا ہے۔ جو مقام، یہود و نصاریٰ اپنے مشائخ اور علماء کو دیتے تھے، وہی مقام ہم نے اپنے فقہاء کو دے رکھا ہے۔ (حالانکہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا)۔ رجم کی سزا کا اضافہ، اس کی بیّن مثال ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (جن کا شمار بلند پایہ محدثین اور فقہ حنفی کے اکابرین میں ہوتا ہے) لکھتے ہیں کہ ——
"اگر کسی حکم میں اضافہ کر دیا جائے تو وہ پہلے حکم کی تنسیخ ہے۔" (انصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ اردو ترجمہ، شائع کردہ علماء اکیڈمی۔ محکمہ اوقاف لاہور۔ صفحہ ۸۲) زنا کی سزا میں رجم اضافہ ہے جس سے حکمِ خداوندی منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ اس فقہی قانون نے لے لی ہے جسے ملک میں نافذ کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے رجم کے حکم کو غیر اسلامی قرار دے دیا، لیکن حکومت نے اس کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر رکھی ہے۔

(۳) قانونِ حدود کی رو سے جرمِ زنا کے اثبات کے لئے (یعنی ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے) ضروری

ناممکن العمل

ہے کہ چار ایسے گواہ جو متقی، پرہیزگار، نیک کردار اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب رہنے والے مرد ہوں، شہادت دیں کہ انہوں نے عملِ دخول (ACT OF - PENETRATION) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر مجرم کو سزا ملنے سے پہلے، ان چار گواہوں میں سے ایک بھی اپنے بیان سے منحرف ہو جائے تو ملزم بری ہو جائے گا۔ فقہ حنفی کی نہایت معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر تین گواہوں نے عینی گواہی دے دی اور چوتھے گواہ نے بھی ان کی تائید کر دی لیکن کہا یہ کہ اس نے ملزم مرد اور عورت کو ایک لحاف میں دیکھا تھا، تو اس سے اس ملزم پر حد جاری نہیں ہو سکے گی لیکن پہلے تین گواہوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ انہوں نے بے گناہ (مرد اور عورت) پر ناحق تہمت لگائی تھی۔

آپ غور کیجئے کہ کیا یہ کسی طرح ممکن ہے کہ چار ایسے گواہ مل جائیں جنہوں نے عملِ دخول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو! پھر اسے بھی ذہن میں رکھئے کہ اگر ان چار گواہوں میں سے کسی ایک کی شہادت میں کچھ اختلاف ہو گیا، تو مجرم بری ہو جائے گا لیکن باقی گواہوں کو قذف (تہمت تراشی) کے جرم کی پاداش میں اسّی اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ کیا ایسی صورت میں کوئی شخص بھی اپنے آپ کو بطور گواہ پیش کرے گا؟ ذرا آگے بڑھئے۔ تنہائی میں زنا بالجبر کی مظلومہ مفعولہ اس حادثہ کی رپورٹ لکھوانے کی بھی ہمت نہیں کرے گی، کیونکہ اس کے ثبوت میں وہ چار گواہ کہاں سے لائے گی، اور جب گواہ میسر نہیں آ سکیں گے، تو اس پر حدِ قذف جاری ہو جائے گی اور اسے اسّی کوڑے برداشت کرنے پڑیں گے؟ وہ اپنے کیس میں خود بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکے گی کیونکہ (علاوہ دیگر نکات کے) گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ اگر ملزم خود اقبالِ جرم کرے تو اس پر حد کا فیصلہ دے دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ سزا ملنے سے پہلے اپنے

اقبالی بیان سے منحرف ہو جائے تو اس پر حد ساقط ہو جائے گی۔

یہ ہے جرم زنا کے متعلق وہ فقہی قانون جسے اسلامی قانون شریعت کی حیثیت سے ملک میں نافذ کیا گیا ہے! آپ سوچئے کہ ان شرائط کے مطابق، اس جرم کا ثابت کیا جانا ممکن ہے؟ اور جب جرم ہی ثابت نہیں ہوگا تو سزا ملنے کا سوال کیسے پیدا ہوگا؟ لہٰذا، یہ ایسا قانون ہے جو ناممکن العمل ہے۔ اور اس کا احساس خود محترم صدر مملکت کو بھی ہے۔ جب فروری ۱۹۷۹ء میں یہ آرڈی ننس نافذ ہوا، تو اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد صدر مملکت جنرل ضیاء الحق نے امریکہ کی (C.B.S.) کی ٹی۔ وی ٹیم کو ایک انٹرویو دیا تھا جو پاکستان ٹائمز کی اشاعت بابت ۱۸ فروری میں شائع ہوا تھا۔ انٹرویو لینے والوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ قوانین بڑے وحشیانہ ہیں۔ اس کے جواب میں صدر محترم نے فرمایا تھا:

صدر مملکت کا اعتراف

> یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا۔ اسلام سزا (PUNISHMENT) کے بجائے، تخویف (DETERRENCY) پر زور دیتا ہے۔ اگر آپ اس فلسفہ پر نگاہ رکھیں گے جو ان سنگین سزاؤں کے پیچھے کارفرما ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس قانون شہادت کی رُو سے جس کا نفاذ کیا جا رہا ہے، ایک فی ہزار مجرموں کو بھی سزائیں نہیں دی جا سکیں گی۔

آپ غور فرمائیے کہ وہ قانون جس پر عمل ہی نہ ہو سکے، وقعت کیا رکھتا ہے؟ صاحب صدر نے فرمایا ہے کہ قانون میں یہ سخت سزائیں اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لوگ ان جرائم سے باز رہیں۔ لیکن سوچئے کہ جن جرائم کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ ثابت ہی نہیں ہو سکیں گے، ان کی سزاؤں کا قانون جرائم کی روک تھام کس طرح کر سکتا ہے؟ اس سے تو ان جرائم کے ارتکاب کا ارادہ کرنے والوں کے حوصلے اور دراز ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچئے کہ جب ان ناممکن العمل قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کیا جائے گا، تو غیر مسلم اقوام، اسلام کے متعلق کیا رائے قائم کریں گی۔ قرآن کریم نے ایسی کوئی شرائط مقرر نہیں کیں جن کے پورا نہ ہونے سے خود قانون ہی معطل ہو کر رہ جائے۔ یہ شرائط فقہ کی عائد کردہ ہیں۔ بالفاظ دیگر، خدا نے ایک حکم دیا اور فقہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جن کی رُو سے وہ حکم بے کار ہو کر رہ گیا! اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے طریق وضع کرے جن کی رُو سے احکام خداوندی پر عمل درآمد ممکن ہی نہیں بلکہ آسان ہو جائے۔ اسلامی مملکت کے قیام کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ وہ احکام خداوندی پر عمل کرائے۔ لیکن اگر حالات ایسے پیدا کر دیئے جائیں جن میں ان احکام پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے، تو آپ سوچ لیجئے کہ اسے کیا کہا جائے گا؟ فقہ نے یہی کیا ہے!

زکوٰۃ کے متعلق قانون

فقہ کس طرح ایسے احکام کو معطل کر دیتی ہے، اس کی ایک اور مثال حال ہی میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ حکومت پاکستان نے زکوٰۃ کے متعلق ایک قانون وضع کیا اور اسے پبلک لا کی حیثیت سے نافذ کیا۔ یعنی ایسا قانون جس کا اطلاق سب پر

یکساں ہو۔ اس کے خلاف، فرقہ وارانہ احتجاج ہوا تو حکومت کو اس قانون کو شخصی قانون (PERSONAL LAW) کی شکل دینی پڑی اور احکام جاری کر دیئے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اس کے لئے آئینِ پاکستان میں بھی ترمیم کی گئی۔ اس نظیر (PRECEDENCE) کی رُو سے یہ نظر آتا ہے کہ ملک میں شاید ہی کوئی پبلک لا نافذ ہو سکے۔ جب فقہ غالب رہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ پر عمل کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

زکوٰۃ کے متعلق جو کہا گیا کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق ادا کر سکتا ہے، تو اس سے ایک عجیب لیکن نہایت عبرت آموز حقیقت سامنے آئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ فقط قرآنی کے پابند ہیں اس لئے وہ اس کے مطابق عمل کریں گے۔ انہیں جواب ملا کہ قرآنی فقہ مسلّمہ فقہ نہیں۔ اس لئے آپ اس کے مطابق عمل نہیں کر سکتے۔ یا تو آپ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، فقہوں میں سے کسی فقہ پر عمل کریں، اور یا پھر قانونِ مملکت کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں۔ یعنی انسانوں کی وضع کردہ فقہیں تو مسلّم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ فقہ قابلِ تسلیم نہیں! یا للعجب۔ یہود و نصاریٰ تو خدا کے ساتھ اپنے علماء و مشائخ کو خدا بناتے تھے۔ یہاں کہا جاتا ہے کہ تم صرف فقہا کو خدا بنا سکتے ہو۔ خدا کو نہیں۔ (میں اس سوال پر مرکزی نظامتِ زکوٰۃ سے خط و کتابت کر رہا ہوں)۔

قرآنی فقہ قابلِ تسلیم نہیں

(۰)

قوانینِ حدود کو نافذ ہوئے، تین سال ہونے کو آئے ہیں۔ پچھلے دنوں، صدرِ مملکت نے اس امر پر اپنی مایوسی اور تاسف کا اظہار فرمایا کہ ان پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو رہا! روزنامہ جنگ (لاہور) کی ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق:-

> صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اسلامی قوانین کے نفاذ میں سُست روی پر فکرمندی کا اظہار کیا۔ صدر نے کہا کہ کونسل کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس کی پچھلی سفارشات پر مبنی قوانین ایک حقیقی اسلامی روح کے مطابق کیوں نافذ نہ ہو سکے۔ کونسل کو ایک تفصیلی تجزیہ کے ذریعے ان خامیوں اور کوتاہیوں کی نشان دہی کرنی چاہیئے جو ان قوانین کے نفاذ یا تشکیل کے عمل کے دوران سرایت کر گئی ہوں۔

صدرِ مملکت کا اظہارِ تاسف

اس پر طلوعِ اسلام نے اپنی اشاعت بابت دسمبر ۱۹۸۱ء میں کہا تھا کہ ہم صدرِ محترم کی خدمت میں باادب گذارش کریں گے کہ ان قوانین کی ناکامی کی وجوہات خارج میں تلاش نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ اسقام خود ان قوانین کے اندر مضمر ہیں۔ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ان کی رُو سے فی زمانہ ایک مجرم کو سزا ملنی بھی مستبعد ہے۔ پھر یہ کہ آپ ان اسقام کی اصلاح کے لئے اُسی اسلامی نظریاتی کونسل سے کہہ رہے ہیں جس نے ان قوانین کو وضع کیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ فقہی قوانین ابدی اور غیر متبدل ہیں اور ان میں کسی قسم کا

حک واضافہ، ترمیم وتنسیخ اور ردّ وبدل نہیں کیا جا سکتا۔ جن کا یہ عقیدہ ہو وہ ان قوانین کے اسقام کو کس طرح دُور کر سکتے ہیں؟ طلوعِ اسلام نے اربابِ متعلقہ کی خدمت میں گذارش کیا تھا کہ قانون سازی کی مہم کو سرِدست ایک طرف رکھ کر، پہلے یہ طے کریں کہ

اسلام میں قانون سازی کے اصول کیا ہیں!

لیکن ہمارے علماء حضرات کسی کو اس طرف آنے ہی نہیں دیں گے۔ ان کے نزدیک جب اسلامی قوانین (یعنی قوانینِ فقہ) مرتب ومدوّن موجود ہیں، تو پھر قانون سازی کے اصولوں کی تلاش بے معنی اور تحصیلِ حاصل ہے۔

(۰)

جن دنوں صدرِ مملکت اپنے اس تاسّف کا اظہار فرما رہے تھے، انہی دنوں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے، بین الاقوامی شہرت کے حامل میگزین (ASIA WEEK) کے ایڈیٹر انچیف (MICHAEL O'NEILL) نے ان سے ملاقات کی جس کی رپورٹ، اس میگزین کی اشاعت بابت ۴ دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا جو حصہ قوانینِ حدود سے متعلق ہے اس کا اُردو ترجمہ (قوسین میں چند توضیحی الفاظ کے ساتھ) پیشِ خدمت ہے۔ (مسٹر (O'NEILL) نے اس کے بعد مجھ سے بھی ملاقات کی تھی اور اس کی رپورٹ بھی میگزین کے اسی شمارہ میں شامل ہے۔ لیکن اسے میں بعد میں پیش کروں گا۔ پہلے آپ صدرِ محترم کے ساتھ ملاقات کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے)

میگزین ایشیا ویک کی رپورٹ

سوال:۔ آپ نے متعدد بار کہا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے۔ کیا اسلام نے پاکستان کے کسی اقتصادی یا سیاسی مسئلہ کو حل کیا ہے؟

جواب:۔ اسلام تمہارے پورے کے پورے اطوارِ زندگی کے لئے ضابطۂ حیات ہے — بہ حیثیت ایک انسان کے۔ بہ حیثیت خاندان کے ایک فرد کے۔ بہ حیثیت قوم کے ایک فرد کے۔ بہ حیثیت اقوام کی عالمگیر برادری کے ایک رکن کے۔ اسلام، "مسلمانوں کی مملکتوں کی" کامن ویلتھ" کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ تمہارے اقتصادی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی مسائل کا — حل پیش کرتا ہے۔ وہ تمہیں راہ نمائی اور اصول عطا کرتا ہے۔

رجم کی سزا

سوال:۔ جب صورت یہ ہے کہ آپ کی حکومت، شرعی عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف، کہ رجم، (سنگساری) غیر اسلامی سزا ہے، اپیل کر رہی ہے، تو اسلام کو ضابطۂ حیات کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ شرعی عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ اس خاص مجرم کو سنگسار نہ کیا جائے۔ گورنمنٹ، عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ اس کا مؤقف یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ رجم کا قانون یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا ہے — اور اس کے ثبوت کے لئے بہت سی شرائط ہیں — تو اس مرد اور عورت کو سنگسار

کیا جائے۔[ط]

__سوال__ :- لیکن قرآن میں تو ایسا کہیں نہیں کہا گیا؟

__جواب__ :- نہیں۔ (قرآن میں ایسا نہیں کہا گیا)۔ لیکن اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں ۔۔۔ قرآن صرف اصول دیتا ہے اور ان اصولوں کی وضاحت (EXPLANATION) احادیث میں ملتی ہے۔ یہ دونوں مل کر شریعت بنتے ہیں۔ قانونِ شریعت یہ ہے کہ اگر چار عینی شاہد گواہی دیں کہ انہوں نے ملزم کو زنا کا ارتکاب کرتے دیکھا ہے تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ یہ ہے قانون۔ ایسا جنسی اختلاط خلافِ قانون ہے۔ اس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں۔ زنا، غیر شادی شدہ مرد اور عورت میں جنسی اختلاط کا نام ہے۔ اگر چار عینی گواہ موجود ہوں اور اس طرح ملزم کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔

__سوال__ :- اگر صورت یہی ہے تو شرعی عدالت نے یہ فیصلہ کیوں نہ دیا؟

__جواب__ :- اگر چار عینی گواہ نہ ہوں، اور مجرم اپنے جرم کا خود اقرار کرے، یہ جانتے ہوئے کہ اس اقبالِ جرم کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تو اسے مجرم قرار دیا جائے گا۔ شرعی عدالت نے، ایک جج کے اختلافی نوٹ کے ساتھ، یہ فیصلہ دیا تھا کہ رجم کا قانون غیر قرآنی ہے۔ حکومت، عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل کر رہی ہے، اس لئے کہ ہمارے خیال میں، عدالت نے قانون کا گہرا مطالعہ (HOME WORK) کئے بغیر، جذبات کی رَو میں یہ کر ایسا فیصلہ دے دیا ہے۔ ہم نے کہا ہے کہ رجم، قرآنی حکم ہے۔ ہم اپنا کیس پیش کریں گے، شرعی عدالت اپنا کیس، اور سپریم کورٹ فیصلہ دے دے گی۔

__سوال__ :- سپریم کورٹ کب تک اس اپیل کی سماعت کرے گی؟

__جواب__ :- اس کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ مجھے اس پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔

__سوال__ :- کیا سعودی عرب نے آپ سے ایسا تو نہیں کہا تھا کہ شرعی عدالت کا فیصلہ ایک خطرناک نظیر قائم کر دے گا اس لئے بہتر ہوگا کہ اس کے خلاف اپیل دائر کر دی جائے۔

__جواب__ :- نہیں۔ ہم اپنی مملکت کے امور کے فیصلے آپ کرتے ہیں۔

__سوال__ :- یہ حقیقت تو بہر حال موجود ہے کہ پاکستان میں نہ کسی مجرم کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں، نہ سر قلم کیا جاتا۔ نہ ہی کسی کو سنگسار کیا جاتا ہے؟

__جواب__ :- یہ ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ قرآنی قانون کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ تمہارے ہاں ایسی قوت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو ارتکابِ جرم سے باز رکھ سکے۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے چار گواہ مل سکیں جو شہادت دیں کہ انہوں نے عملِ دخول کو اپنی آنکھوں

ط: حکومت کے نافذ کردہ "قانونِ شریعت" کی رُو سے، یہ سزا شادی شدہ زانی اور زانیہ کی ہے۔ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی نہیں۔

سے دیکھا تھا؟ ایسا ناممکن (IMPOSSIBLE) ہے۔

سوال:- اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے صرف ڈرانے (DETERRENT VALUE) کی خاطر اپیل کی ہے؟

جواب:- نہیں! زنا۔ سرقہ۔ شراب خوری اور قذف (جھوٹی تہمت) صرف ایسے جرائم ہیں جن کی انتہائی سزا خود قرآن نے متعین کی ہے[1]۔ اگر جرمِ زنا کے ملزم مرد اور عورت کے خلاف، عدمِ شہادت کی بنا پر جرم ثابت نہ ہو سکے، تو انہیں کم درجہ کی سزا دی جائے گی جو سات سال قید بامشقت، پچاس کوڑے، دو لاکھ روپے جرمانہ تک ہو سکتی ہے۔ سنگساری انتہائی سزا ہے۔

سوال:- اس کے باوجود آپ اس سزا کو اپنے ضابطہ تعزیرات میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی اس قسم کی سزائیں نافذ کی جائیں جس قسم کی سزائیں (مثلاً) ایران میں نافذ ہیں؟

جواب:- ایران کے حالات پر تبصرہ کئے بغیر، میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے ان قوانین کو فروری ۱۹۷۹ء میں نافذ کیا تھا۔ اس وقت تک یہاں نہ کوئی ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ نہ کسی کو سنگسار کیا گیا ہے۔ نہ کسی کو شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ کسی ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے قرآن جس قسم کے ثبوت چاہتا ہے، وہ مل ہی نہیں سکتے[2]۔ بنا بریں، ان جرائم کی انتہائی سزائیں دی نہیں گئیں۔ کم تر سزائیں دی گئی ہیں۔ جرمِ زنا کے مرتکب کو چودہ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔ یہ مذاق نہیں[3]

میں اس انٹرویو پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن صدرِ محترم کے جوابات میں ایک اصولی نکتہ ایسا ہے جس کے متعلق ـــــ اگر خاموش بنشینیم گناہ است ـــــ جب سائل نے کہا کہ رجم کی سزا تو قرآن میں مذکور نہیں تو اس کے جواب میں صاحبِ صدر نے فرمایا کہ قرآن اصول دیتا ہے جس کی وضاحت کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ یہ دونوں مل کر قانونِ شریعت بنتے ہیں ـــــ بہت اچھا۔ لیکن جرمِ زنا

---

[1] قرآن نے شراب نوشی کی سزا مقرر نہیں کی۔ نہ ہی اس میں کم تر سزاؤں کا ذکر ہے۔ اس کی رُو سے، جرمِ زنا ثابت ہو جانے کی صورت میں سو سو کوڑے کی سزا ہے۔ اور جرم ثابت نہ ہو تو ملزم بری ہو جاتا ہے۔

[2] معاف فرمائیے۔ ان جرائم کے ثبوت کے لئے یہ شرائط فقہ کی عائد کردہ ہیں۔ قرآن کی نہیں۔ یہ کہنا کہ خدا قانون تو مقرر کرتا ہے لیکن ان کے ثبوت کے لئے جو شرائط عائد کرتا ہے، ان کا پورا کیا جانا، ناممکن ہے۔ اس کے متعلق جو تصور پیدا کرتا ہے ظاہر ہے۔

[3] اس انٹرویو میں جمہوریت، نظامِ مملکت۔ اسلام کے سیاسی نظام کے متعلق بھی بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن میں اس مقام پر اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتا۔ میں صرف قانون سازی کے مسئلہ تک محدود رہنا چاہتا ہوں۔

کی سزا کے سلسلہ میں تو قرآن نے اصول نہیں دیا۔ اس نے سزا کو خود متعیّن کر دیا ہے، اور متعیّن بھی اس حد تک کہ کوڑوں کی تعداد بھی خود مقرر کر دی ہے۔ لہٰذا، اس کے لئے قرآن سے باہر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ویسے بھی قرآن نے جرمِ زنا کی سزا بلا تفریق و تخصیص، سو سو کوڑے مقرر کر دی اور حدیث نے کہا کہ یہ سزا غیر شادی شدہ مجرموں کے لئے ہے۔ شادی شدہ مجرموں کی سزا سنگسار ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اسے قرآن کے اصول کی وضاحت نہیں کہا جا سکتا! یہ تو قرآن کے حکم کے خلاف ایک دوسرا حکم ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی جس کتاب کا ہمیں نے پہلے ذکر کیا ہے، اس میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

> امرِ خاص اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ اس کو کسی تشریحی بیان سے وابستہ نہ کیا جائے۔ (صفحہ ۸۲)

-----(٠)-----

میگزین (ASIA WEEK) نے اپنی اسی اشاعت میں، اس انٹرویو کے بعد، ایک تفصیلی مقالہ (غالباً اداریہ) لکھا ہے جس کا عنوان ہے ــــ "پاکستان کے لئے جنگ" ــــ اس میں اس انٹرویو کی تفصیلی رپورٹ درج ہے جو مسٹر (MICHAEL O'NEILL) نے مجھ سے لیا تھا۔ اس رپورٹ سے پہلے، اس میگزین نے تمہیداً بھی کچھ لکھا ہے جس کے دو ایک اقتباسات زیرِ نظر موضوع کے متعلق ہیں اور اس قابل ...... کہ انہیں پہلے پیش کر دیا جائے۔ اس میں کہا ہے:۔

> جب جنرل ضیاءؔ نے ۱۹۷۷ء میں اقتدار سنبھالا تو انہوں نے کہا تھا کہ ان کی ترجیحات میں سرِ فہرست جمہوریت کی بحالی اور انتخابات ہیں۔ اب وہ اس امر کا اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی اوّلین ترجیح پاکستان کو "اسلامیانہ" ہے۔ پاکستان کی ساڑھے آٹھ کروڑ آبادی ہیں، جس میں نوّے فیصد حنفی سُنّی مسلمان ہیں، بہت کم ایسے ہوں گے جو صدرِ مملکت کی اس خواہش کی مخالفت کرتے ہوں، کیونکہ ان کے نزدیک اسلامی معاشرہ، عدل، مساوات اور جمہوریت کا آئینہ دار ہوگا۔ لیکن (مشکل یہ ہے کہ) اس (قسم کی مملکت کا) پاکستان کی مغربی ہمسایہ مملکتوں میں بھی، جو گہری مذہب پرست ہیں، کوئی نمونہ (ماڈل) نہیں ملتا۔ (ان میں کوئی بھی اسلامی مملکت نہیں)۔ (...... پاکستان کے غالباً سب سے بڑے اسلامی سکالر (FOREMOST ISLAMIC-SCHOLAR) ۔ چوہدری غلام احمد پرویز کے الفاظ میں "وہ مسلمانوں کی مملکتیں ہیں [1] ــــ (اسلامی نہیں)۔
>
> اس کے بعد اس نے لکھا ہے:۔

---

[1] میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ قرآن کا ایک ادنٰی طالب علم سمجھا، اور کہا ہے، لیکن اقتباس میں مقالہ نگار کے الفاظ کا بعینہٖ نقل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

چھ ماہ کا عرصہ ہوا، شرعی عدالت نے فیصلہ دیا کہ حکومت کا ۱۹۷۹ء کا رجم کا قانون قرآنی نہیں، اس لئے غیر اسلامی ہے۔ جنرل ضیاء کی حکومت اس فیصلہ کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ کیونکہ (جنرل موصوف کے الفاظ میں) عدالت نے گہرا مطالعہ کئے بغیر یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ مختصر الفاظ میں، جنرل ضیاء کا عقیدہ ہے کہ یہ سزا اسلامی ہے۔ اس سے گذشتہ کچھ عرصہ سے، مغربی ایشیا سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک کے باشندوں کے دل میں اُلجھاؤ (CONFUSION) پیدا ہو رہا ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے (O'NEILL) نے گذشتہ ہفتہ، اڑھتر سالہ پرویز سے، اس کی کتابوں سے بھرپور مطالعہ گاہ (لاہور) میں ملاقات کی۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ درج ذیل ہے۔

یہ رپورٹ طویل ہے لیکن موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر، اس کا مکمل طور پر سامنے لانا ضروری ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ پرویز نے کہا:۔

"جب آپ کسی چیز کے متعلق کہیں کہ وہ اسلامی ہے، تو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ اُسے اسلامی کہنے کے لئے اتھارٹی کیا ہے؟ (مثلاً) جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے مطابق ہے تو اس کے لئے ایک اتھارٹی ہوتی ہے ــــ یعنی خود کانسٹی ٹیوشن۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات آئین کے مطابق ہے اور فلاں اُس کے خلاف، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی دستور ہے جو اس باب میں اتھارٹی قرار پاتا ہے۔ اس اصول کی رُو سے، یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بھی کوئی ایسی چیز ہونی چاہیئے جسے وہ سب متفقہ طور پر مشترکہ اتھارٹی تسلیم کریں۔ جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ اور اگر اسلام کے لئے ایک مشترکہ اتھارٹی ہے تو اُسی کو تمام مسلمانوں کے لئے اتھارٹی ہونا چاہیئے جس کی رُو سے وہ فیصلہ کریں کہ فلاں چیز اسلامی ہے یا غیر اسلامی ــــ خواہ وہ رجم کا قانون ہو یا مملکت کا کوئی اور قانون یا حکم۔

اسلام مذہب نہیں۔ یہ ضابطۂ حیات ہے۔ نظامِ زندگی ہے۔ اور اجتماعی نظامِ زندگی جس کے لئے ایک مملکت کی ضرورت لاینفک ہے۔"

"یہ طے کرنے کے لئے کہ فلاں چیز اسلامی ہے یا غیر اسلامی، ایک اتھارٹی کا ہونا لازمی ہے ــــ وہ شرعی عدالت ہو، صدرِ مملکت ہو یا ایک عام شہری ــــ وہ ان سب کے لئے یکساں اتھارٹی ہونی چاہیئے۔ اگر ہم اسے متعین کر لیں۔ اسے (DEFINE) کر دیں تو آدھا مسئلہ اسی سے حل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مشترکہ اتھارٹی موجود ہے تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا کہ جو کچھ شرعی عدالت کہتی ہے وہ اسلامی ہے، یا جو میں کہتا ہوں، وہ اسلامی ہے۔ کیا آپ نے محترم صدرِ مملکت سے یہ دریافت کیا تھا (کہ وہ اتھارٹی کونسی ہے)؟"

"(ایک بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ) علم و بصیرت اور فکر و تدبر، اسلامی قوانین کے بہت قریب ہیں۔ (اور دوسری بات یہ کہ) جس اتھارٹی کا میں ذکر کر رہا ہوں، وہ قرآن مجید ہے۔ یہی، اور یہی اتھارٹی ہے۔ اور یہ

غیر متبدل ہے۔ جب کوئی شخص اسے اقرار کی تسلیم کر لیتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور جب تک وہ اسے تسلیم کئے رہتا ہے، وہ مسلمان رہتا ہے۔ اس باب میں کسی کے اپنے خیال کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔"

"(اسلام تو ایک طرف) سیکولر قوانین میں بھی کیفیت یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات قانون کے مطابق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں فلاں قانون کے مطابق ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قانون موجود ہو اور ایسا ہو جسے تمام فریق قانون تسلیم کرتے ہوں۔ اسی طرح جب ہم اسلام کی بات کریں گے ——— خواہ یہ ہندوستان میں ہو، خواہ سنگاپور میں اور خواہ پاکستان میں، اور خواہ وہ کوئی عام مسلمان ہو، خواہ کسی مملکت کا سربراہ ہو، اور خواہ کوئی "مقدس مُلّا" ہو ——— ہمیں واضح کرنا ہوگا کہ کسی بات کو اسلامی کہنے کے لئے فلاں اتھارٹی ہے۔ اور اس کے لئے واحد اتھارٹی قرآن مجید ہے۔"

"یہ ایک مکمل اتھارٹی ہے۔ نہ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ (کمی بیشی) نہیں کی جا سکتی کیونکہ (قرآن کی رُو سے) خود اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے کہ یہ مکمل ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ کسی چیز کے اسلامی قرار پانے کے لئے اتھارٹی نہیں ہو سکتا۔ جو اس (قرآن) میں نہیں وہ اسلام نہیں (اسلام پر عمل کرنے کا طریق ہوگا)۔ قرآن کی رُو سے، خود پیغمبرؐ کو بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ قرآن کریم میں خود ذاتِ رسالت مآبؐ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اس میں، میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔"

"کچھ لوگ قرآن کے علاوہ اور چیزوں کو بھی اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ روایات کو اتھارٹی مانتے ہیں۔ (جس طریق سے یہ وضع اور مدوّن ہوئی تھیں اس کی روشنی میں) میں انہیں دین کی تاریخ قرار دیتا ہوں۔ کچھ لوگ فقہ کو اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔ کوئی ہزار سال کا عرصہ گذرا، بعض "فقہا" نے کچھ قوانین مرتب کئے۔ یہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین تھے۔ اُس وقت کی مملکتوں نے انہیں بطور قوانینِ حکومت اپنے ہاں نافذ کر دیا۔ لیکن وہ قرآنی قوانین نہیں۔ ان میں جو قوانین قرآن کے مطابق ہیں ہم انہیں اسلامی قرار دے سکتے ہیں، اس بنا پر کہ وہ قرآن کے مطابق ہیں۔ اگر ایک غیر مسلم مملکت بھی اپنے ہاں کوئی ایسا قانون نافذ کر دے جو قرآن کے مطابق ہو، تو ہم کہیں گے کہ وہ قانون قرآن کے مطابق ہے (لیکن اتنے سے وہ مملکت اسلامی نہیں بن جائے گی)۔ اس کے برعکس اگر مسلمانوں کی کوئی مملکت ایسا قانون نافذ کرے جو قرآن کے خلاف ہو، تو ہم اسے اسلامی قانون کی حیثیت سے تسلیم نہیں کریں گے۔ (بدقسمتی سے) اس وقت کوئی مملکت ایسی نہیں جو قرآن کو آخری اور واحد اتھارٹی تسلیم کرتی ہو۔ وہ یا تو فقہ کو اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں اور یا ان روایات کو جنہیں حضورؐ نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (واضح رہے کہ اقوالِ رسول اللہؐ اور اقوال منسوب الی الرسولؐ میں بنیادی فرق ہے[1])۔ لیکن اس کے باوجود، ایک اسلامی مملکت کا قیام ممکن ہے۔ قرآن ہمارے

---

[1] میں نے اس مقام پر واضح کر دیا تھا کہ ان روایات کے پرکھنے کے لئے بھی اتھارٹی قرآن کریم ہے۔ جو روایت قرآن کے خلاف نہیں ہم تسلیم کر لیں گے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد ہو سکتی ہے۔ جو اس کے خلاف ہوگی، ہم بلا تامل کہہ دیں گے کہ حضورؐ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ حضورؐ کا کوئی عمل یا ارشاد قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

پاس موجود ہے ـــــــ غیر محرف، غیر متبدل۔ اسی شکل میں، جس میں (ہمارے ایمان کی رُو سے) اسے خدا نے نبی اکرمؐ پر نازل فرمایا تھا، اور حضورؐ نے اُمت کو دیا تھا۔ اس میں زیر، زبر تک کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔"

"قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں جرمِ زنا کی سزا، صرف کوڑے بتائی ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ رجم کی سزا قرآنی نہیں۔ جب حکومت نے رجم کا قانون نافذ کیا تھا، تو اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس میں کوئی بات سیکولر (انسانوں کی وضع کردہ) ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سیکولرازم خلافِ اسلام ہے۔ وہ (اپنے معیار کی رُو سے) مختلف باتوں کو اسلامی کہہ دیتی ہے۔ چونکہ پاکستانیوں کی اکثریت، قوانینِ فقہ کو اسلامی تسلیم کرتی ہے، اس لئے حکومت کا مؤقف یہ ہے کہ انہیں اسلامی تسلیم کیا جائے۔ شرعی عدالت نے کہا تھا کہ سوال اکثریت یا اقلیت کا نہیں۔ اگر ایک مسلمان بھی ثابت کر دے کہ وہ قانون خلافِ قرآن ہے تو وہ خلافِ اسلام قرار پا جائے گا۔ جن لوگوں نے قانونِ رجم کو شرعی عدالت میں چیلنج کیا تھا، انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قانون کو منسوخ کر دینا چاہیئے۔"

"کسی مملکت کو اسلامی اسی صورت میں کہا جائے گا جب وہ قرآن کے مطابق عمل کرے۔ اگر کوئی بالائی عدالت کہہ دے کہ جن احکام کو یہاں کی اکثریت تسلیم کرتی ہے، وہ اسلامی قوانین ہیں، تو کیا اس سے یہ قوانین فی الواقعہ اسلامی ہو جائیں گے؟ (قانونِ رجم کے متعلق شرعی عدالت نے جو فیصلہ دیا، اور جس کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل کی ہے) اگر وہ اپیل منظور ہو جاتی ہے تو یہ ملکی قانون تو ہو جائے گا، اسلامی قانون نہیں ہو گا۔ (اور ہم اس کی اطاعت اسی طرح کریں گے جس طرح دیگر ملکی قوانین کی اطاعت کی جاتی ہے)۔"

—— (٠) ——

یہ تھی اس انٹرویو کی رپورٹ جو ایشیا ویک کے ایڈیٹر انچیف نے مجھ سے کیا تھا۔ اسے بہ حیثیت مجموعی میرے خیالات کا مفہوم کہا جا سکتا ہے۔ بلفظہٖ لفظاً نہیں۔ اس کے بعد اس میگزین نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے:۔

پاکستان میں ابھی تک کسی کو رجم کی سزا نہیں دی گئی، اگرچہ کوڑوں کی سزا بکثرت دی گئی ہے، اور (جیسا کہ صدرِ مملکت کے ساتھ انٹرویو کی رپورٹ میں بتایا جا چکا ہے) صدر ضیاء نے اشارۃً بتا دیا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ لیکن، جیسا کہ عمر رسیدہ، مریض، پرویز نے کہا ہے "یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ اگر مملکت اسلامی ہے، اور یہ قوانین بھی اسلامی ہیں تو انہیں نافذ کرنا چاہیئے، خواہ اس کے عواقب کچھ ہی کیوں نہ ہوں"!

FUNDAMENTALISM.

اس کے بعد اس میگزین میں، اسلام آباد کے کسی خدا پرست مسلمان قانون دان (A DEVOUTLY MUSLIM LAWYER) کا ایک بیان بھی درج کیا گیا ہے۔ میں اس بیان کو پیش نہیں کر رہا لیکن اس ایک نکتہ ایسا ہے جو بڑا اہم ہے

اور اس قابل کہ اسے انتہائی غور و فکر سے سمجھا جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اس کا جذبۂ محرکہ (FUNDAMENTALISM) ہے۔ یہ اصطلاح حال ہی میں رائج ہوئی ہے اور یورپ، اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی مراد، اس "حقیقی اور بنیادی اسلام" کا احیاء اور فروغ ہے جس کی علمبردار ہماری قدامت پسند مذہبی پیشوائیت، ہے۔ اس کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے، اسے سمجھنے کے لئے ہمیں بہت پیچھے جانا پڑے گا۔

قرآنی انقلاب

جب مدینہ میں قرآنی مملکت کا قیام عمل میں آیا، تو اس کے دائیں بائیں دنیا کی دو عظیم سلطنتیں ہی نہیں، قدیم ترین تہذیبیں (ایران اور روما) انتہائی عروج پر تھیں۔ اس نظام نے قلیل ترین عرصہ میں ان کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس لئے کہ قرآن کا اوّلین مقصد دنیا سے شخصی حکومت۔ نظامِ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کو ختم کر کے انسان کو حقیقی آزادی سے بہرہ یاب کرانا تھا۔ فتح ایران کے بعد جب وہاں کا ایک نامور گورنر، ہرمزان، جنگی قیدی کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کے پیش ہوا تو آپؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے متعلق فیصلہ تو بعد میں ہوگا، پہلے مجھے ایک بات بتاؤ۔ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ اگر عرب کبھی بھولے سے بھی تمہارا سامنا کر بیٹھتے تھے تو تم انہیں ایک ہی جھپٹے میں پسپا کر دیتے تھے۔ اب وہی عرب ہیں اور وہی تم ایرانی ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ان عربوں نے تمہارا سارا ملک فتح کر لیا ہے۔ تم یا بجولاں میرے سامنے کھڑے ہو اور تمہارا شاہنشاہ اپنی جان بچانے کے لئے مارے مارے پھر رہا ہے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ انقلاب کیسے برپا ہو گیا؟

ہرمزان نے جو جواب دیا وہ ساری مضمر حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ بات بالکل صاف ہے۔ پہلے جب ہمارا اور آپ کا مقابلہ ہوتا تھا تو ایک طرف ایرانی ہوتے تھے اور دوسری طرف تنہا عرب۔ اس لئے انہیں شکست دے دینا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ اب جب مقابلہ ہوتا ہے تو ایک طرف تنہا ایرانی ہوتے ہیں اور دوسری طرف عرب اور ان کے ساتھ ان کا خدا۔ ان دونوں کو شکست دیدینا، ہم کیا، دنیا کی کسی قوم کے بس کی بھی بات نہیں۔

یہ تھا جو قرآن نے کیا تھا۔ ایرانی مفتوح ہوئے تو مسلمان ہو گئے لیکن عربوں کے ہاتھوں جو ذلت انہیں اٹھانی پڑی تھی اس کے زخم بڑے گہرے تھے اور اس کے انتقام کی آگ ان کے سینے میں سلگ رہی تھی۔

ایرانیوں کا جذبۂ انتقام

عباسیوں نے سلطنت انہی ایرانیوں کے توسط سے حاصل کی تھی اس لئے ان کے عہد میں وہ ساری مملکت پر چھا گئے۔[1] اس سے انہیں اپنا انتقام لینے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ہرمزان نے جو بات کہی تھی، وہ انہیں ازبر تھی۔ اس لئے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں سے انتقام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے وہ قرآن چھڑا دیا جائے جس کی بدولت انہیں اس

---

[1] تفصیل ان امور کی میری کتاب "شاہکار رسالت" میں ملے گی۔

قدر قوت حاصل ہو گئی تھی۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ تھی کہ انہوں نے زبانی روایات کو جمع اور مدون کرنا شروع کیا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ سنیوں کی احادیث کی معتبر ترین چھ کتابیں ہیں جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان چھ کے چھ مجموعوں کے مرتب کرنے والے ایرانی ہیں۔ روایات جمع کیں اور یہ عقیدہ وضع کر دیا کہ جو وحی رسول اللہ ؐ پر نازل ہوئی تھی اس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وحی قرآن میں آگئی اور دوسری وحی یہ روایات ہیں۔ لہٰذا، روایات قرآن کی مثل (مثلہ معہ) ہیں۔ حتیٰ کہ یہ قرآن کو منسوخ بھی کر سکتی ہیں۔ انہی روایات کی رُو سے فقہ کے احکام مرتب ہوئے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ اگر فقہ کے کسی قانون اور قرآن کی آیت میں تصادم ہو، تو اوّل تو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ قرآنی آیت کی ایسی تاویل کی جائے جو قانونِ فقہ کے مطابق ہو، اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو قرآنی آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ (تاریخ فقہ اسلامی۔ علامہ خضریؒ) اس طرح قرآن بیچ میں سے صاف نکل گیا اور اسلام نام رہ گیا انہی روایات اور فقہی قوانین کا۔ یہی وہ اسلام ہے، جسے اقبالؔ نے عجمی اسلام کہہ کر پکارا تھا اور جو آج تک رائج چلا آرہا ہے۔

(۰)

پچھلی صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں، مسلمانوں کے مختلف ممالک میں ایسی فکری تحریکیں اُبھریں جن کا مقصد یہ تھا کہ جو عجمی اسلام ہزار سال سے مروج چلا آرہا ہے، اس کی جگہ قرآنی اسلام رائج کیا جائے ——— ترکی میں سعید حلیم پاشا، مصر میں مفتی عبدہٗ۔ ہندوستان سرسیدؒ اور اقبالؒ اسی تحریک کے علمبردار تھے۔ اقوامِ مغرب اچھی طرح جانتی تھیں کہ اگر کہیں قرآنی نظام قائم ہو گیا تو جو کچھ اس سے اُس زمانے کے ایران کے ساتھ ہوا تھا، وہی حشر ہمارا ہوگا۔ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے انہوں نے اس خیال کو عام کیا اور کرایا کہ حقیقی اور بنیادی اسلام وہ ہے جس کا علمبردار مسلمانوں کا قدامت پرست طبقہ ہے۔ اسی کا فروغ، اسلام کا فروغ ہے۔ اسے وہ FUNDAMENTAL ISLAM کہہ پکارتے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وسیع پیمانے پر کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ جو آپ اس وقت ساری دنیا میں اسلامک سنٹرز۔ اسلامک مشن۔ اسلامک کانفرنسز۔ اسلامک سمینارز۔ اسلامک لیکچرز۔ اسلامک لٹریچر کی بھرمار دیکھ رہے ہیں، اور ان پر سیلاب کی طرح روپیہ خرچ ہو رہا ہے، یہ سب اسی سکیم کی کارفرمائیاں ہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ہمارے وہ مولوی صاحبان، جنہیں کل تک (معاف بفرمائیے) شاہدرہ تک جانے کی بھی بمشکل توفیق ہوتی تھی، آج کس طرح ہوائی جہازوں پر اڑتے اور ساری دنیا کے چکر کاٹتے پھرتے ہیں، اور یورپ اور امریکہ کے (FIVE-STARS) ہوٹلوں میں قیام فرماتے ہیں، تو یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے اور کس قسم کے اسلام کی تبلیغ پر خرچ کیا جا رہا ہے؟

روزنامہ ڈان کی ۲۵ مارچ ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع شدہ ایک مضمون کی رُو سے، صرف..... امریکہ اور کینیڈا میں (۲۷) اسلامک سنٹر ہیں۔ ٹورنٹو (کینیڈا) سے ان کا ایک پندرہ روزہ اخبار الہلال شائع

ہوتا ہے۔ اس میں ایک کالم ہوتا ہے "اسلام اور زندگی کے مسائل"۔ اس اخبار کی (۱۵) اپریل ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں زندگی کے جن مسائل کے متعلق اسلامی تعلیم پیش کی گئی ہے اس کا اندازہ ان سوالات سے لگا لیجئے۔

(۱) اگر سفر میں غلطی سے سمتِ قبلہ کے خلاف نماز پڑھ لی جائے تو وہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟
(۲) قضا نماز کس طرح ادا کی جائے؟
(۳) بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان کس طرح دی جائے؟
(۴) باکسنگ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

ان سوالات سے اُس اسلام کا اندازہ لگا لیجئے جس کے فروغ کے لئے اقوامِ مغرب نے اپنے دروازے کھول رکھے ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی نگہ بصیرت نے اس خطرہ کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ یوں تو ان کے کلام میں جستہ جستہ ہر مقام پر اس کی طرف اشارے ملتے ہیں، لیکن جس انداز سے انہوں نے اسے، اپنی آخری کتاب ـــــ ارمغانِ حجاز ـــــ کی اس نظم میں واضح کیا ہے، اس کا جواب خود ان کے دوسرے کلام میں بھی نہیں ملتا۔ اس کا انداز ڈرامائی ہے جس میں ابلیس اپنی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد کرتا ہے۔ اس میں ہر شعبہ کا مشیر اپنی اپنی کارگزاری کی تفصیل پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس نے کاروانِ انسانیت کو ابلیسی راستوں پر ڈالنے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ اور راہ کی رکاوٹیں کیا ہیں۔ وہ ان سب کی رپورٹوں کو بڑی توجہ سے سنتا ہے، اور آخر میں کہتا ہے کہ تم جن تحریکوں کو ابلیس کے پروگرام کے لئے خطرناک قرار دیتے ہو، مجھے ان میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

آخری مشیر نے کہا تھا کہ اُسے کمیونزم (مزدکیت) بڑی خطرناک نظر آ رہی ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

جب اس نے کہا کہ "ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے" تو اس سے اس کے مشیروں کی آنکھوں میں خندۂ دزدیدہ نے یہ کہہ کر انگڑائی لی کہ بھلا اس اُمت سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ اس پر اس نے کہا۔

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

میں یہ سب جانتا ہوں۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

یہ تھا وہ خطرہ جسے اقوامِ مغرب نے ان مفکرین کی دعوت الی القرآن میں پنہاں دیکھا تھا جن کا ذکر میں نے

پہلے کیا ہے۔ اس کے توڑ کے لئے انہوں نے (FUNDAMENTALISM) کی تحریک ایجاد کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ عجمی اسلام کو عین اسلام بنا کر اجاگر کرو، اور مسلمانوں کو (ابلیس کے الفاظ میں) اس قسم کی بحثوں میں الجھا دو کہ ؎

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے! ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

ان نظریات کو جو مرورِ زمانہ سے مٹتے جا رہے ہیں پھر سے اجاگر کر کے اس قوم کے سامنے لاؤ، اور اس طرح ؎

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے! تا بسازد زندگی میں اس کے سب مُہرے ہوں مات

اس قدر تاکید کے بعد، اس نے پھر اپنے مشیروں سے کہا کہ ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کے لئے حتمی نسخہ یہ ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

علامہ اقبالؒ نے ان خیالات کا اظہار اپنی وفات (۱۹۳۸ء) سے کچھ ہی عرصہ پہلے کیا تھا۔ اس خطرہ کے توڑ کے لئے وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ایسی آزاد مملکت کے قیام کا تصور پیش کر چکے تھے جس میں عجمی اسلام کی جگہ، قرآنی اسلام نافذ کیا جائے۔ ایامِ گذشتہ میں پاکستان میں ان موضوعات پر محض نظری بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن جب سے اس مملکت کے لئے "اسلامی" قانون سازی کا پروگرام ہاتھ میں لیا گیا ہے (FUNDAMENTALISM) کی تحریک زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے جس کا مقصد ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع شدہ عجمی اسلام کا احیاء ہے۔ اس زمانے کے فقہی قوانین کا نفاذ اسی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔

مجھے کسی کی نیت پر شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کچھ اقوامِ مغرب کے ایما پر کیا جا رہا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُن اقوام کے پیشِ نظر مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور بن رہا ہے ..... یعنی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ کہ یہاں قرآنی نظام نافذ نہ ہو جائے۔

تحریکِ پاکستان کے دوران اس خطرہ کا احساس ہندوؤں کے دل میں بھی اُبھر رہا تھا۔ ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے کہ لدھیانہ میں "اکھنڈ بھارت کانفرنس" کا اجلاس، ایک ممتاز کانگریسی لیڈر، مسٹر منشی کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس نے سامعین سے کہا کہ "آجکل مسلم لیگ کی طرف سے نظریۂ پاکستان کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کا مقصود و مطلوب کیا ہے۔ اگر تمہیں معلوم نہیں تو سن لیجئے کہ اس سے مفہوم یہ ہے کہ

ہندوستان میں مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے اماکن بنائیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی سانچوں میں ڈھل سکے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ

میں پوچھنا چاہتا ہوں، نیشنلسٹ مسلمانوں سے کہ انہوں نے مسلم عوام تک پہنچ کر انہیں اس خطرہ سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟

شکست کا بدلہ

جلسہ میں جمیعتہ العلمائے ہند کے رکن ایک مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا کہ "ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے"۔

(بحوالہ ٹریبیون۔ مورخہ ۲ر نومبر ۱۹۴۱ء)

اور انہوں نے پاکستان میں واقعی ایسا نہیں ہونے دیا، اور اس طرح اس شکست کا بدلہ لے لیا جو انہیں اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھی۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہاں جو کچھ کیا جا رہا ہے، نیک نیتی سے کیا جا رہا ہے۔ مجھے اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسے تو تسلیم کیا جائے گا کہ نیک نیتی سے کوئی غلط کام صحیح نہیں قرار پا سکتا، نہ ہی نیک نیتی سے پھانکا ہوا سنکھیا تریاق بن سکتا ہے۔ کتنی مائیں ہیں جو بچے کو سلانے کے لئے نہایت نیک نیتی سے اسے افیون چٹاتی ہیں۔ لیکن ماں کی نیک نیتی سے بچہ، افیون کے مضر اثرات سے محفوظ تو نہیں رہ سکتا! جو فقہی قوانین یہاں اسلام کے نام سے نافذ ہو رہے ہیں، ان کا پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ قوم کا نوجوان طبقہ خود نفسِ اسلام سے برگشتہ ہو رہا ہے، اور غیر مسلم قوموں کے دل میں اسلام کا جو بھرم باقی تھا، وہ بھی ختم ہو رہا ہے۔

لیکن میں اس سے مایوس نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب نوعِ انسان کے لئے اسلام کو بہ حیثیت نظام زندگی منتخب کیا تھا تو اس کا اعلان کر دیا تھا کہ یہ نظام، تمام نظامہائے عالم پر غالب آکر رہے گا۔ (۹/۳۳) اگر کوئی قوم اسے اپنے ہاں نافذ نہیں کرے گی تو اس سے خدا عاجز نہیں آجائے گا۔ وہ اس قوم کی جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ..... (۴۷/۳۸)۔ وہ اس سابقہ قوم جیسی نہیں ہو گی۔ وہ اس نظام کو قائم کر دے گی۔ اسلامی نظام نہ کسی خاص خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ ہے، نہ کسی خاص قوم سے مختص۔ یہ عالم گیر انسانیت کا نظام ہے اور اسے بالآخر قائم ہو کر رہنا ہے۔ لہٰذا، ہمارے لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ بس اتنا سا احساس کبھی کبھی اندازانہ ضرور ہو جاتا ہے کہ ؎

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے!
تیری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

والسلام

---

(۰)

طلوعِ اسلام

پرویز صاحب نے اپنے خطاب میں جس میگزین (ایشیا ویک۔ ۴ر دسمبر ۱۹۸۱ء) کا حوالہ دیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ان عبارات کا جو زیرِ نظر موضوع سے متعلق ہیں، (اصل) انگریزی متن بھی شائع کر دیا جائے۔ اسے آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیے۔

SOUTH ASIA 4th December 1981

Interview

Zia's Islam on Adultery: Stone them to Death!

At his home in Rawalpindi one evening last week, Pakistan President Zia-ul Haq, 57, talked for 2½ hrs. with *Asiaweek* Editor-in-Chief Michael O'Neill. Excerpts from that conversation:

X X X X X X X X X

You've said often Islam is a complete code for living. Has Islam solved any of Pakistan's economic or political problems?

Islam is a code of conduct for your *total* behaviour — as a man, as a member of the family, as a member of the nation, as a member of the comity of nations. Islam believes in the "commonwealth" of Muslim states. From that point of view, it offers you solutions to your economic problems, political problems, religious problems, educational problems; it gives you guiding lines, principles.

How can Islam be a code of conduct if your own government appeals against a decision by the Shariat Bench, which has ruled that stoning to death for adultery is an unIslamic punishment?

The Shariat decision was that this particular man should not be stoned to death. The government is appealing on that and saying he *should* be stoned to death! The law of the *rajim* is that if it is proved that a man has committed adultery — and there are a lot of inbuilt safeguards — then he and she should be stoned to death.

That's not stated anywhere in the Koran.

No. There are two aspects. The Koran gives the principle their explanation is formed in the Hadith, so together they form the Sharia. Now, the Sharia law on adultery is that if a man has been seen by four individuals committing adultery with a woman, then he has to be stoned to death. This is the law! It's an illegal sexual act. There's no confusion. *Zinnah* is sexual intercourse between a man and a woman who are not married. If you have those four eyewitnesses, and a man is proved guilty, stone him to death!

So why didn't the Shariat Bench reach that conclusion?

If there are not four witnesses and the man admits having committed adultery, being fully aware of the consequences, then he should be made guilty. What the Shariat court decided, with one dissenting vote, was that this law of rajm is not Koranic law. This is what thegovernment is appealing against, because we consider the Shariat court [members] have not done their homework, and have been taken away by emotion. We said, no, it *is* a Koranic injunction. We'll present our case, and they'll present their case, and we hope the Supreme Court will come out with that...

When will the Supreme Court hear the case?

That's up to the Supreme Court. I have no jurisdiction over the Supreme Court.

Saudi Arabia didn't indicate to you that the Shariat ruling was a rather dangerous precedent, and that it might be a good idea to appeal?

No. We run this country ourselves.

The fact remains that Pakistan is not chopping off people's hands and heads, or stoning people to death.

No, it's not. You can't stone people to death. The basic philosophy of Koranic law is that we should have a deterrent force. How can you have a man [having sexual intercourse with] somebody else with *four witnesses!* Can you ever have it? *Impossible!*

Is that deterrent value, then, the only reason the government is appealing?

No. Zinnah, theft, drinking, and accusing another man falsely: these are the only four laws where the Koran has prescribed the maximum punishment. So if a man and a woman have not been proved guilty of adultery [for lack of] evidence, then they will get lesser punishment, which could amount to seven years of rigorous imprisonment, 50 lashes, a fine of 200,000 rupees. Stoning to death is the maximum punishment.

Still, you're going to have it on your books. Do you want to see in Pakistan the kind of punishments being meted out in Iran, for example?

Without commenting on the situation in Iran: we introduced these things in February 1979. So far not a single hand has been cut off, no man has been stoned to death, or lashed for drinking — because you can't find the proof the Koran demands. Therefore the maximum punishments have not been enforced. Lesser punishments have been enforced. A man accused of zinnah has been given fourteen years' rigorous imprisonment, which is not a joke.

The Battle for Pakistan

* * * But beyond the Soviet threat, and the perceived menace from India, and the frustrations of a populace that believes a democratic tradition is being strangled, is a problem that has far-reaching implications not only for Pakistan but for the region as a whole. It is of Zia-ul Haq's own making, and its name is Islamisation.

When he seized power in 1977, Zia said his first priority was to restore democracy, to hold elections. Nowadays he openly admits that his first priority is to "Islamise" Pakistan. Few of the country's 85 million citizens, nearly 90% of whom are Muslims (mainly Hanafi Sunni) would contest that ambition, since an Islamic society would be a just, equitable and democratic one. But there are no role models, even among Pakistan's deeply religious neighbours to the west. There are only, as Chaudhri Ghulam Ahmad Parwez, perhaps Pakistan's foremost Islamic scholar, puts it, "governments run by Muslims."

Among concerned citizens, Zia's Islamisation program is nowhere more worrying than in the field of, first, the law, and second, women's rights. The President wants to see women and girls in *chador* and some schools have begun compelling female students to veil themselves. There is much resistance to this and to demands by some fundamentalists (supported, it is said, by the President) for repeal of the Muslim Family Laws Ordinance of 1961, which does give women some protection under the law in matters such as divorce. But by far the most controversial specific instance of misdirected "Islamisation" concerns *rajim*, the punishment of stoning to death for illicit sexual intercourse.

As part of his Islamisation program, Zia, by President's Order 3 of 1979, amended the Constitution to set up Shariat, or religious, benches in Pakistan's four provincial high courts. Designated justices were both high court judges and members of the Shariat benches until March 1981, when the functions were separated. There is now a federal Shariat court, the provincial versions having been abolished.

Six months ago the Shariat court ruled that the government's 1979 law of *rajim* — stoning to death for offences such as adultery — was not Koranic law and was therefore unIslamic. The Zia Administration is appealing that verdict on the ground that the judges, as the President told *Asiaweek*, "didn't do their homework." Zia, in short, believes that the punishment is Islamic. It is a confusion that in recent months has exercised Muslim minds from West Asia to Southeast Asia, and to get to the bottom of it, *Asiaweek*'s O'Neill last week visited Parwez, 78, in his book-lined study in Lahore. This is what Chaudhri Ghulam Ahmad Parwez said:

"The first thing to know, when you call a thing Islamic, is: What is the authority for it? When we say 'This is constitutional,' there is an authority for it — the Constitution. It presupposes the existence of a constitution that forms an authority to say what is constitutional and what is not.

"There must be a common authority for all Muslims. When they call themselves Muslims it means they accept Islam, and if there is one common authority for Islam, then that must be the common authority by which all Muslims decide whether something is Islamic or not — whether it is the law of rajim or some other laws or rules of the state.

"Islam is not a religion. It is a code of life, a system of living. Islam is about the nation of the community: it presupposes the existence of a state.

"What is the authority? It may be the Shariat court, it may be the President of Pakistan, it may be a common man. If we define that, half the problem is solved. If there *is* one common authority, it does not matter what the Shariat court *says* is Islamic, or what *I* say is Islamic. Have you asked this question of the President?

"Thinking based on common sense is very near the Islamic laws. The *authority* is the Koran. It is the only authority: immutable. When one accepts that, one becomes a Muslim, and one remains a Muslim for as long as one accepts it. It is not a question of this view or that view.

"Even in secular laws, when we say something is 'legal' we mean 'It is according to this or that law.' That law must exist. It presupposes the existence of some law which is acceptable to all the parties. So when we talk about Islam — whether in India or Singapore or Pakistan, whether it is an ordinary Muslim or a head of state or a 'divine muftah' — we must say: 'This is the authority.' And the only authority for being Islamic is the Koran.

"It is a perfect authority. No addition or subtraction can be made because, according to the Koran, Allah said it is complete. Nothing against it can constitute an authority for being Islamic. What is not there is not Islam. The Koran says that even the Prophet had not the authority to make any change; the Prophet himself says in the Koran, 'I am not authorised to make any changes.

"Some people accept authorities other than the Koran. They accept the Traditions of the Prophet, which I call history. Then there is *fica* [jurisprudence]. Some jurists, about 1,000 years back, constituted certain laws. They are man-made laws, and the state enforced them at that time as the laws of government. They are not Koranic. Whatever in those laws is according to the Koran we can accept as Islamic *because* they are according to the Koran. If a non-Muslim state makes a law which is according to the Koran, we will say, 'That law is according to the Koran.' If a Muslim state makes a law which is against the Koran, we will not accept it as Islamic.

"No state in the world accepts the Koran as the final and only authority: they all accept these jurists' laws, fica, or the Traditions attributed to the Holy Prophet — history! Yet it is possible to have an Islamic state. The Koran is there. Unchanged, immutable, in the same form in which, according to our belief, it was revealed by God, given by the Prophet to the people. Not a single comma therein has been changed.

"The Koran has definitely given the punishment for zianah [illegal sexual intercourse]: only stripes [lashes]. It is *clearly* given. Rajim is not Koranic.

"When the government enforced this law of rajim, it did not say there was any secularism in it. It says secularism is against Islam. For everything, they say 'It is Islamic.'

"Since the majority of people in Pakistan accept these laws [fica] as Islamic, the government says they should be accepted as Islamic. The court has said it is not a question of majority or minority. Even if one Muslim *proves* this is against the Koran, it becomes against the Koran. Those who challenged this law in the Shariat court have proved it is against the Koran. That is why the law must be repealed.

"A state can be called Islamic only if it acts according to the Koran. If some higher court says that laws accepted by the majority of the people in this country are Islamic laws, then does this law promulgated by the government become Islamic? If the appeal is successful it will become the law of the land. But it will not be an Islamic law."

Nobody has yet been stoned to death in Pakistan, though there have been floggings aplenty, and President Zia hints (*Interview, following pages*) that it will never come to that. But as the ageing, ailing Parvez points out, "That is strange, because *if* this is an Islamic state and if these are Islamic laws, they must be enforced — whatever the consequences."

مطالب الفرقان ۔ جلد چہارم ۔ شائع ہوگئی

بحمد للہ، حالات کی اس قدر نامساعدت کے باوجود مطالب الفرقان کی چوتھی جلد بھی شائع ہوگئی ہے۔ اس کی پہلی تین جلدیں صرف سورۂ بقرہ کو محیط تھیں۔ یہ جلد سورۂ آلِ عمران۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدہ پر مشتمل ہے۔ اس سے پہلے سب سے ضخیم تیسری جلد تھی جس کی ضخامت قریب ساڑھے پانچ سو صفحات تھی۔ چوتھی جلد قریب ساڑھے چھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ حجم کی زیادتی کی وجہ سے پہلے خیال تھا کہ سورۃ المائدہ کو اس میں سے حذف کر دیا جائے لیکن قارئین کے بے پناہ اشتیاق کے پیشِ نظر مناسب نہ سمجھا گیا کہ انہیں مزید عرصہ کے لئے اس کے انتظار میں رکھا جائے۔ اس جلد کے نمایاں موضوعات یوں سامنے آتے ہیں۔

- آیاتِ محکمات و متشابہات۔
- حضرت زکریاؑ اور یحییٰؑ کے احوال و کوائف۔
- حضرت مریمؑ کی انقلاب انگیز زندگی۔
- حضرت عیسےٰؑ کی داستانِ حیات۔
- بن باپ کی پیدائش کا عقیدہ۔
- مذہبی پیشوائیت کی خود ساختہ خدائی کے خلاف سرکشی۔
- رومی شاہنشاہیت کے خلاف بغاوت۔
- واقعۂ صلیب کی تفصیلی سرگزشت۔
- معجزات کی حقیقت۔
- وفات و نزولِ مسیح کی بحث۔
- تحقیقاتِ جدیدہ کی روشنی میں بصیرت افروز انکشافات۔
- اسلامی نظام۔
- سنّت اور حدیث کی صحیح پوزیشن۔
- اطاعتِ خدا اور رسولؐ کا قرآنی مفہوم۔
- ترکہ اور وراثت کے احکام اور تقسیم۔
- یتیم پوتے کی وراثت۔
- حدود (جرائم کی قرآنی سزائیں)۔
- قطعِ ید وغیرہ۔

ان چند ایک عنوانات سے کتاب کے مندرجات کی اہمیت کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ اسے ادارہ طلوعِ اسلام کے اشاعتی معیار کے مطابق، دلکش اور پائدار انداز سے طبع کیا گیا ہے۔ عام کتابوں کے مقابلہ میں ضخامت کے قریب دگنا ہو جانے کی وجہ سے قیمت -/۹۰ روپے (ڈاک خرچ -/۸ روپے) مقرر کی گئی ہے۔

ملنے کے پتے:

(۱) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵ بی گلبرگ ۲ ۔ لاہور (۲) مکتبۂ دینِ دانش ۔ چوک اردو بازار لاہور

پھر قرآنِ مجید کی باری آئی!

امّتِ محمدیہ کو دینِ خداوندی سے برگشتہ کرنے کے لئے جو جو حربے استعمال کئے گئے ان کے دو ایک گوشے اس سے پہلے سامنے لائے جا چکے ہیں۔ پہلے روایات وضع کی گئیں اور انہیں منسوب کر دیا حضورؐ نبی اکرم کی ذاتِ اقدس کی طرف۔ حضورؐ کی طرف نسبت سے لازماً ان کا تقدس ذہنوں میں پیوست ہو گیا۔ اس کے بعد یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ وحی کی در اصل دو قسمیں تھیں۔ ایک قسم کی وحی قرآنِ مجید میں درج ہو گئی اور دوسری وحی احادیث (روایات) میں آ گئی۔ اس اعتبار سے احادیث کو "مثلہٗ معہٗ" کا درجہ دیدیا گیا۔ یعنی قرآن کی مثل، اس کے ساتھ۔ یہاں تک تو روایات اور قرآن کو ہم پایہ قرار دیا گیا۔ آگے بڑھے تو کہہ دیا کہ احادیث، قرآن میں اضافہ بھی کر سکتی ہیں اور قرآن کو منسوخ بھی۔ ظاہر ہے کہ ان روایات، اور ان کی رُو سے مرتب کردہ فقہی قوانین کی موجودگی میں، قرآن کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ چنانچہ قرآن، اُمّت کی عملی زندگی سے خارج ہو گیا اور صرف تلاوت کے لئے باقی رہ گیا۔

روایات کے ساتھ، صدرِ اوّل کی تاریخ بھی افسانوی طور پر مرتب کر کے، اسے جزوِ دین بنا دیا۔ ان اقوامِ ثلاثہ سے دین پورے طور پر مسخ ہو کر رہ گیا۔ لیکن ان سازشیوں کے دل میں ابھی ایک کھٹک باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ خود قرآنِ مجید کے متعلق بھی اس قسم کے شبہات پیدا کر دیئے جائیں جن سے یہ یقین متزلزل ہو جائے کہ وہ غیر محرف ہے۔ اس سازش کے متعلق بھی طلوعِ اسلام میں اکثر و بیشتر لکھا جا چکا ہے لیکن گذشتہ کچھ عرصہ میں ہم نے روایات اور تاریخ کے متعلق جو مقالات شائع کئے ہیں، مناسب سمجھا گیا ہے کہ انہی کے تسلسل میں یہ بھی واضح کیا جائے کہ قرآنِ مجید کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے کے سلسلہ میں کس قسم کی سازش کی گئی تھی۔

(۱)

دین کا مدار تمام تر یقین پر ہے۔ یہی وہ اصل و بنیاد ہے جس پر اس کی پوری کی پوری عمارت اُٹھتی ہے۔ یقین اس امر کا کہ جس بات کو ہم دین کہتے ہیں وہ بلا شک و شبہ خدا کی طرف سے ہے۔ اگر اس بنیاد میں ذرا سا بھی تزلزل پیدا ہو جائے تو دین کی ساری عمارت نیچے آ گرتی ہے۔ اس میں تھوڑے اور بہت کا سوال ہی نہیں۔ مثلاً ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسےٰ اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام پر اپنی وحی نازل کی اور اصل و بنیاد کے اعتبار سے انہیں بھی وہی "دین" عطا کیا جو قرآن میں ہے۔ آج یہود اور نصاریٰ دونوں

اس کے مدعی ہیں کہ ان کے پاس تورات اور انجیل موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہم ان کتابوں کو دین نہیں مانتے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ ان کتابوں میں تغیر و تبدل ہو چکا ہے اور ہم آج یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ جو کچھ ان میں موجود ہے وہ وہی ہے جو ان انبیاء کی طرف نازل ہوا تھا۔ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں کچھ باتیں تو ایسی ہوں گی جن میں ردّ و بدل نہیں ہوا۔ ان باتوں کو تو دین ماننا چاہیئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان میں کچھ باتیں ایسی ضرور ہوں گی لیکن جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، دین کے جس معاملہ میں ذرا سا بھی شک اور شبہ پیدا ہو جائے وہ دین نہیں رہ سکتا۔ اس لئے تورات و انجیل دینی کتابیں تسلیم نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے برعکس قرآن کریم کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ یہ لفظاً لفظاً، حرفاً حرفاً "الحمد" سے "والناس" تک بعینہٖ وہی ہے جسے اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی کیا۔ اور جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو دیا۔ یعنی قرآنِ مجید جس شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اسے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مرتب اور مدوّن شکل میں اُمّت کو دیا تھا، اور اس کے بعد اس میں شعشہ تک کی بھی تبدیلی یا حک و اضافہ نہیں ہوا۔ اب سوچئے کہ اگر کسی کے دل میں اس حقیقت کے متعلق ذرا سا بھی شبہ پیدا ہو جائے تو اس کے نزدیک قرآن، دین کا ضابطہ نہیں قرار پا سکتا۔ اس کی حیثیت بھی وہی ہو جائے گی جو انجیل اور تورات کی ہے۔

عجمی سازشوں نے جہاں حقیقی اسلام کی جگہ ایک بالکل نیا اسلام وضع کر کے مسلمانوں میں عام کر دیا، اس کے ساتھ ہی انہوں نے چپکے ہی چپکے ایسی کوششیں بھی کیں جن سے یہ شبہ پیدا ہو جائے کہ قرآن بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ نہیں رہا۔ یہ اس سازش کا اتنا بڑا حربہ تھا جس نے فی الواقعہ دین کی عمارت کو متزلزل کر دیا۔ یہ سازش عہدِ عباسیہ میں شروع ہوئی تھی۔ اس وقت قرآن کریم کے لاکھوں نسخے اُمّت میں پھیلے ہوئے تھے اس لئے ان سازشوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ قرآن کے متن میں کسی قسم کا ردّ و بدل کر سکیں۔ انہوں نے ترکیب یہ سوچی کہ ایسے خیالات عام کر دیئے جائیں جن سے اس قسم کے شبہات خود بخود پیدا ہو جائیں کہ جو قرآن ہمارے پاس ہے کیا یہ رسول اللہ کا اُمّت کو دیا ہوا ہے یا نہیں؟ اس مقصد کے لئے انہوں نے قرآن کی جمع و تدوین کے متعلق عجیب و غریب داستانیں وضع کیں، اور انہیں احادیث کے مجموعوں میں بھر دیا۔ اس ضمن میں حافظ ابوبکر عبداللہ ابن ابی داؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی کی شہرۂ آفاق کتاب "کتاب المصاحف" ایک خاص اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس میں قرآنِ کریم سے متعلق ان تمام روایات کو یکجا جمع کر دیا گیا ہے۔ یہ روایتیں اکثر صحاح ستہ اور دوسری مستند کتب روایات میں منتشر طور پر موجود ہیں۔

کتاب المصاحف

اس کتاب کے مؤلف ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کا سنہ پیدائش ۲۳۰ھ اور سنہ وفات ۳۱۶ھ ہے۔ آپ حدیث کے مشہور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (جن کی کتاب سنن ابوداؤد صحاح ستہ میں شمار کی جاتی ہے) کے بیٹے ہیں۔ کتاب المصاحف علمائے حدیث کے ہاں مستند کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ چنانچہ اکثر متقدمین کی کتابوں میں اس کتاب کے حوالے ملتے ہیں۔

امام ابن الجزری نے ان کو "ثقہ کبیر مامون" کے الفاظ سے یاد کیا ہے۔
مصنف کے اس مختصر سے تعارف کے بعد ہم آپ کو کتاب المصاحف کے جستہ جستہ مقامات سے روشناس کراتے ہیں۔ سنتے جائیے اور سر دھنتے جائیے۔

قرآن کو حضورؐ نے جمع نہیں کیا بلکہ حضرت صدیق اکبرؓ نے جمع کرایا

(۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ حضرت زیدؓ بن ثابت سے نقل کرتے ہیں کہ جس سال اہل یمامہ کا قتل ہوا، حضرت ابوبکرؓ نے مجھے آدمی بھیج کر بلایا۔ وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے۔ ابوبکرؓ کہنے لگے کہ یہ (عمرؓ) میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ قرآن کے قاریوں کے ساتھ قتل کی گرم بازاری ہوگئی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ دوسرے موقع پر بھی یہی گرم بازاری ہو اور اس طرح قرآن ضائع ہو جائے۔ میری رائے ہے کہ قرآن کو جمع کر لو۔ میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا وہ تم کیسے کرتے ہو۔ عمرؓ نے کہا۔ بخدا یہ کام اچھا ہی ہے اور اس بارہ میں مجھ سے برابر کہتے رہے حتّٰی کہ جس چیز کے لئے خدا نے ان کا شرح صدر کر دیا تھا میرا بھی شرح صدر کر دیا اور میری رائے بھی وہی ہوگئی جو ان کی تھی۔ ابوبکرؓ مجھ سے کہنے لگے تم نوجوان اور عقلمند آدمی ہو اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وحی لکھتے رہے ہو۔ ہم تمہیں متہم نہیں سمجھتے لہٰذا تم قرآن کو لکھ لو۔ زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں کہ بخدا اگر وہ مجھے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ لے جانے کو کہتے تو وہ مجھ پر اس کام سے زیادہ دشوار نہ ہوتا۔ میں نے ان دونوں سے کہا کہ جو کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا وہ کام تم کیسے کرتے ہو۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ کہنے لگے کہ بخدا یہ کام اچھا ہی ہے۔ چنانچہ ابوبکرؓ اور عمرؓ برابر مجھ سے کہتے رہے حتّٰی کہ جس امر کے لئے ان دونوں کو شرح صدر ہو چکا تھا مجھے بھی شرح صدر ہوگیا اور وہی میری رائے بھی ہوگئی جو ان دونوں کی رائے تھی۔ چنانچہ لکھنے کے لئے میں نے کاغذ کے ٹکڑوں، کھجور کے پٹھوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں (حافظوں) سے تلاش کرنا شروع کیا۔ حتّٰی کہ ایک آیت جو میں حضورؐ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا مجھے نہیں ملی۔ یعنی لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ...... (الآیہ) چنانچہ میں نے اس کو ڈھونڈا۔ بالآخر خزیمہ بن ثابتؓ کے پاس ملی اور میں نے اس کو اس سورۃ میں لکھ دیا۔

صدیقِ اکبرؓ کے زمانے میں قرآن کیونکہ جمع کیا گیا

(۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عروہ بن زبیر سے نقل کرتے ہیں کہ جب بہت سے قاری قتل ہوگئے تو ابوبکرؓ کو یہ خوف ہوا کہ اس طرح تو قرآن ہی ضائع ہو جائے گا۔ آخر انہوں نے عمرؓ اور زیدؓ ابن ثابت سے کہا مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص کتاب اللہ کے متعلق کسی چیز پر دو گواہ پیش کر دے اس کو قرآن میں لکھ لو۔

(۳) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبد خیر سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ کو کہتے ہوئے

سنا کہ مصاحف کے بارہ میں سب سے بڑا ثواب ابوبکرؓ کو ملے گا۔ خدا ابوبکرؓ پر رحم فرمائے۔ وہی پہلے شخص ہیں جس نے قرآن کو لوحین کے درمیان جمع کر دیا۔

اتنے ہی سے یہ تو واضح ہو گیا کہ قرآن کریم کو مرتب، کتابی شکل میں، رسول اللہؐ نے امت کو نہیں دیا تھا۔ یہ منتشر اور پراگندہ شکل میں تھا۔ اب آگے چلیے۔

قرآن صدیق اکبرؓ نے خود جمع کیا اور حضرت زیدؓ نے نظر ثانی فرمائی

(۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ سالم اور خارجہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے قرآن کو کاغذات میں جمع تو کر لیا تھا مگر زیدؓ بن ثابت سے درخواست کی تھی کہ ان کو ایک نظر دیکھ لیں۔ زیدؓ ابن ثابت نے اس سے انکار کر دیا حتیٰ کہ انہوں نے عمرؓ سے مدد چاہی کہ وہ زیدؓ بن ثابت کو راضی کرا دیں۔ چنانچہ عمرؓ نے انہیں راضی کرا دیا اور نظر ثانی کر دی۔ یہ کتابیں ابوبکرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں پھر عمرؓ کی وفات تک ان کے پاس رہیں۔ پھر حضرت حفصہؓ اہلیہ رسول اللہؐ کے پاس رہیں۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں منگایا تو حفصہؓ نے ان کو دینے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ عثمانؓ سے عہد لیا کہ وہ انہیں واپس کر دیں گے اور اس شرط کے ساتھ بھیج دیں۔ چنانچہ عثمانؓ نے ان کو مصحفوں میں لکھ کر حفصہؓ کو وہ کتابیں واپس کر دیں۔ اور وہ ان ہی کے پاس رہیں حتیٰ کہ مروان نے اپنے زمانے میں انہیں لے کر جلا دیا۔

آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایسے اہم واقعہ کے متعلق ایک بیان دوسرے سے کس طرح ٹکرا رہا ہے۔ لیکن بایں ہمہ یہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ قرآن رسول اللہؐ نے مرتب کر کے نہیں دیا تھا بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں مرتب ہوا تھا۔ اب ایک قدم اور آگے بڑھئے۔

جمع قرآن کا کام صدیق اکبرؓ نے نہیں بلکہ حضرت عمرؓ نے شروع کیا اور عثمانؓ نے تکمیل کی

(۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن حاطب سے نقل کرتے ہیں کہ عمرؓ ابن الخطاب نے قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کے لئے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ جس شخص نے رسول اللہؐ سے کچھ بھی قرآن حاصل کیا ہوا ہے ہمارے پاس لے آئے۔ لوگوں نے قرآن کو کاغذات پر، لکڑی کی تختیوں پر اور کھجور کے پتوں پر لکھ رکھا تھا اور عمرؓ کسی شخص سے کوئی چیز اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دیں۔ اسی اثنا میں عمرؓ شہید ہو گئے تو عثمانؓ ابن عفان کھڑے ہوئے اور انہوں نے لوگوں سے کہا کہ جس کے پاس کتاب اللہ کا جو کچھ حصہ ہو وہ ہمارے پاس لے آئے۔ اور یہ بھی اس وقت تک کوئی چیز قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو گواہ گواہی نہ دے دیں۔ چنانچہ خزیمہ ابن ثابتؓ آئے اور کہنے لگے کہ میں دیکھ رہا ہوں تم نے دو آیتیں لکھنے سے چھوڑ دی ہیں۔ پوچھا گیا وہ کونسی دو آیتیں ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دو آیتیں حاصل کی تھیں۔ "لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ...... آخر سورۃ تک۔ اس پر عثمانؓ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ دو آیتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ پھر عثمانؓ نے خزیمہ سے پوچھا۔ بتاؤ ان آیتوں کو کہاں رکھیں؟ خزیمہ نے جواب دیا کہ قرآن کی جو سورۃ سب سے آخر میں نازل ہوئی ہو اسے ان آیتوں ہی سے ختم کر دو۔ چنانچہ سورۂ براءۃ کو ان ہی آیتوں سے ختم کر دیا گیا۔

لیجئے! اب بات یہاں تک پہنچا دی گئی کہ قرآن کو نہ تو رسول اللہ نے مرتب فرمایا نہ ہی یہ عہد صدیقیؓ میں مرتب ہوا۔ اس کی ابتدا حضرت عمرؓ نے کی اور وہ بھی اُسے ادھورا چھوڑ کر شہید ہو گئے۔ اب آگے بڑھیئے!

عہدِ عثمانی میں قرآن میں اختلافات

(۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ یزید بن معاویہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ولید بن عقبہ کے زمانہ میں مسجد میں اس حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا جس میں حضرت حذیفہؓ (مشہور صحابی) بھی تشریف فرما تھے۔ مسجد میں اس وقت روکنے والے اور پولیس کے سپاہی وغیرہ موجود نہ تھے کہ یکایک کسی پکارنے والے نے پکار کر اعلان کیا جو شخص ابوموسیٰ (اشعریؓ) کی قراءت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو ابواب کندہ کے پاس ہے اور جو شخص عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پر قرآن پڑھتا ہو وہ اس گوشہ کی طرف آجائے جو عبداللہ کے گھر کی طرف ہے اور وہاں دو آدمیوں میں سورۂ بقرہ کی ایک آیت کے بارہ میں اختلاف ہوا تھا۔ ایک پڑھتا تھا۔ "واتموا الحج والعمرۃ للبیت" اور دوسرا پڑھتا تھا کہ "واتموا الحج والعمرۃ للّٰہ"۔ حضرت حذیفہ کو غصہ آگیا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ انہوں نے فوراً اپنے کرتہ کو سمیٹ کر بغل میں کیا اور مسجد ہی میں کھڑے ہو گئے۔ یہ واقعہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا ہے اور فرمانے لگے یا تو امیرالمؤمنین میرے پاس آئیں یا میں امیرالمؤمنین کے پاس جاؤں۔ (تو میں اس کے متعلق ان سے کہوں) کیونکہ تم سے پہلی امتوں نے بھی یہی کچھ کیا تھا۔ پھر آگے بڑھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے خدا نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا انہوں نے مومنین کو ساتھ لے کر منکرین سے قتال کیا حتیٰ کہ خدا نے اپنے دین کو غالب کر دیا۔ پھر خدا نے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اٹھا لیا تو لوگوں نے بے لگام گھوڑے کی طرح ہر طرف دوڑ لگانی شروع کر دی۔ پھر خدا نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا تو وہ اسلام کے عین وسط میں اُترے (اور اس کو اعتدال پر قائم کرنا چاہا) پھر خدا نے ان کو بھی اٹھا لیا تو لوگوں نے پھر منہ زور گھوڑے کی طرح ہر طرف جادہ پیمائی شروع کر دی۔ اس کے بعد خدا نے عثمانؓ کو خلیفہ بنایا اور اللہ کی قسم وہ وقت قریب ہے کہ لوگ اسلام میں وہ جادہ پیمائی کریں جو اپنی تمام پچھلی جادہ پیمائیوں کو پیچھے چھوڑ جائے۔

زیدؓ بن ثابت کے انتخاب پر عبد اللہ بن مسعودؓ کی ناگواری

(۷) امام ابو داؤد اپنی سند کے ساتھ ابراہیم نخعی سے نقل کرتے ہیں کہ جب عثمانؓ نے اپنے مرتب کردہ قرآن کے سوا) باقی تمام مصاحف کو پھاڑ ڈالنے کا حکم دیا تو عبد اللہ ابن مسعودؓ نے کہا "لوگو! اپنے قرآنوں کو چھپا لو۔ کیونکہ جو شخص کچھ چھپا کر رکھے گا قیامت کے روز اسے اپنے ساتھ لے کر آئے گا اور بہترین چھپانے کی چیز قرآن ہی ہے جسے تم میں سے کوئی قیامت کے روز اپنے ساتھ لے کر آئے۔

(۸) نیز امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبید اللہ بن عتبہ سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے زیدؓ ابن ثابت کے لئے قرآن لکھنے کو ناپسند کیا اور کہنے لگے "اے مسلمانوں کی جماعت! مجھے تو قرآن لکھنے کے کام سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے اور اس کی ذمہ داری ایک ایسے شخص نے لی ہے کہ بخدا میں جب اسلام لایا تو وہ ابھی اپنے کافر باپ کی صلب میں موجود تھا۔ (یعنی پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔)

غور فرمایا آپ نے کہ جمع قرآن کی مزعومہ کوششوں کے سلسلہ میں صحابہؓ کا ردِ عمل کیا بنایا جا رہا ہے اور ان کے باہمی تعلقات کو کس رنگ میں پیش کیا جا رہا ہے۔

(۹) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ زر بن حبیش سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہؓ بن مسعود نے فرمایا "میں نے حضورؐ کے دہن مبارک سے ستر (۷۰) سے اوپر سورتیں پڑھی ہیں اور زیدؓ بن ثابتؓ ابھی بچہ تھے جس کے سر پر دو زلفیں لہرائی رہا کرتی تھیں۔ نیز شقیق سے نقل کرتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے کہا "من یغلل یات بما غل یوم القیٰمۃ" عثمانؓ مجھے کس کی قرأت پر قرآن پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں۔ میں نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ستر سے اوپر سورتیں پڑھی ہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب جانتے ہیں کہ میں ان میں کتاب اللہ کا سب سے بڑا جاننے والا ہوں اور اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص مجھ سے زیادہ کتاب اللہ کو جانتا ہے تو میں سفر کر کے بھی اس کے پاس جاتا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

(۱۰) نیز امام ابن ابی داؤد ابن شہاب زہری کی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد جو اوپر گذر چکی ہے ابن شہاب زہری ہی کی روایت سے انس ابن مالکؓ انصاری سے یہ اضافہ نقل کرتے ہیں کہ آذربائیجان اور آرمینیہ کے غزوہ میں اہلِ شام اور اہلِ عراق جمع ہوئے اور آپس میں انہوں نے ایک دوسرے کو قرآن سنایا تو اس میں بڑا اختلاف ہوا اور قریب ہو گیا کہ ان میں کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ جب حذیفہ ابن الیمان نے قرآن کے بارہ میں ان کے یہ اختلافات دیکھے تو وہ حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے اور کہا لوگ قرآن کے بارہ میں بڑا اختلاف کر رہے ہیں حتیٰ کہ بخدا مجھے یہ اندیشہ ہو رہا

ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف میں مبتلا نہ ہو جائیں جس میں یہود اور نصاریٰ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ بہت گھبرائے اور انہوں نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ صحیفہ نکلوایا جو ابوبکرؓ کے حکم سے زیدؓ بن ثابت نے جمع کیا تھا اور اس سے کئی مصحف لکھوائے اور ان کو ملک کے گوشوں میں بھیج دیا۔ جب مروان مدینہ کا امیر ہوا تو اس نے حضرت حفصہؓ کے پاس آدمی بھیج کر وہ صحیفے منگائے تاکہ انہیں جلا دے۔ اسے یہ

مروان نے حضرت حفصہؓ کے صحیفے جلا دیئے

اندیشہ تھا کہ لکھنے والے ایک دوسرے سے اختلاف نہ کرنے لگیں مگر حضرت حفصہؓ نے انکار کر دیا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ نے بیان کیا کہ جب حضرت حفصہؓ کا انتقال ہوا تو مروان نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے پاس سختی کے ساتھ کہلا کر بھیجا کہ ان صحیفوں کو اس کے پاس بھیج دیں۔ چنانچہ جوں ہی لوگ حضرت حفصہؓ کے جنازہ سے فارغ ہو کر لوٹے عبداللہ ابن عمرؓ نے وہ صحیفے مروان کے پاس بھیج دیئے۔ مروان نے ان کو الگ الگ کر کے جلا دیا اس اندیشہ سے کہ ان صحیفوں میں کوئی چیز اس کے خلاف نہ ہو جو حضرت عثمانؓ نے لکھا تھا۔

عہدِ عثمانؓ میں قرآن کیسے جمع کیا گیا

(۱۱) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ایوب سے اور وہ ابو قلابہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ایک معلم کسی شخص کی قرأت کے مطابق تعلیم دیتا تھا اور دوسرا معلم دوسرے شخص کی قرأت کے مطابق۔ بچے قرآن پڑھتے اور آپس میں اختلافات کرتے حتیٰ کہ یہ اختلافات معلّمین تک بلند ہو گئے اور لوگوں نے ایک دوسرے کی قرأت پر تکفیر شروع کر دی۔ حضرت عثمانؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خطبہ دیا اور کہا "تم لوگ میرے پاس ہوتے ہوئے بھی قرآن میں اختلاف کرتے ہو اور دوسروں کی تغلیط کرتے ہو۔ جو لوگ دوسرے شہروں میں مجھ سے دور ہیں ان کی غلطیاں اور اختلافات تو اور بھی سخت ہیں اے اصحابِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم! اتفاق سے کام لو اور تم لوگوں کے لئے ایک (متفقہ) امام (کتاب اللہ) لکھ دو۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ مجھ سے مالک بن انسؓ نے بیان کیا (یہ امام مالک بن انسؒ کے دادا ہیں) کہ میں ان لوگوں میں شریک تھا جنہوں نے ان کو قرآن لکھوایا۔ اگر کسی آیت کے بارہ میں اختلاف ہوتا تھا اور کوئی ایسا آدمی یاد آجاتا تھا جس نے اس آیت کو خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا اور بعض مرتبہ وہ شخص موجود نہیں ہوتا تھا یا کسی دیہات میں ہوتا تھا تو اس سے آگے اور پیچھے کی آیتیں لکھ لیتے تھے اور اس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ شخص خود آجاتا یا اس کو بلوا لیا جاتا تھا (اور اس سے پوچھ کر وہ آیت لکھ لی جاتی تھی) جب مصحف لکھنے سے فراغت ہو گئی تو حضرت عثمانؓ نے تمام شہروں میں لکھ دیا کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا میں نے اس کو مٹا دیا ہے لہٰذا جو کچھ (اس قرآن کے خلاف) تمہارے پاس ہو تم بھی اس کو مٹا دو۔

(۱۲) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ مصعب ابن سعد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ علیہ وسلم کو تم سے جدا ہوئے ابھی تیرہ سال ہی گزرے ہیں مگر

تم قرآن میں شک کرنے لگے ہو۔ کہتے ہو کہ یہ ابی (بن کعبؓ) کی قرأت ہے اور وہ عبداللہ (بن مسعودؓ) کی قرأت ہے۔ خدا کی قسم تو اپنی قرأت ٹھیک نہیں پڑھتا۔ لہٰذا میں تم میں سے ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی کتاب اللہ میں سے کوئی چیز ہو وہ بالضرور اسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ کوئی کاغذ کا ورق لے کر آتا، کوئی چمڑے کا ٹکڑا لے کر آتا جس میں قرآن لکھا ہوا ہوتا حتّیٰ کہ اس طرح بہت کچھ جمع ہو گیا۔ پھر حضرت عثمانؓ اندر گئے اور ایک ایک آدمی کو بلا بلا کر قسم دے کر انہوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تم نے اس کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تمہیں یہ کچھ لکھوایا تھا؟ وہ شخص اقرار کرتا۔ حضرت عثمانؓ اِن سے فارغ ہو گئے لوگوں سے پوچھا تم میں سے بہترین کاتب کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کاتب زید بن ثابتؓ۔ پھر انہوں نے پوچھا تم میں لغت عربی کا بہترین ماہر کون ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سعید بن العاصؓ۔ تو حضرت عثمانؓ نے کہا ٹھیک ہے۔ سعید لکھوائیں اور زیدؓ لکھتے جائیں۔ چنانچہ زیدؓ ابن ثابت نے قرآن لکھا اور کئی قرآن لکھے۔ اور ان قرآنوں کو عثمانؓ نے لوگوں میں پھیلا دیا۔ ابو قلابہ کہتے ہیں کہ میں نے بعض اصحابِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ عثمانؓ نے بہت اچھا کام کیا۔

(۱۳) امام ابن ابی داؤد اپنی دوسری سند سے مصعب ابن سعد ہی سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ابی (ابن کعبؓ) اور عبداللہ (بن مسعودؓ) اور معاذ (ابن جبلؓ) کی قرأت کو سنا تو لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا۔ ابھی تمہارے نبی کی وفات کو پندرہ سال ہوئے ہیں اور تم قرآن میں اختلاف کرنے لگے ہو۔ میں ہر شخص پر لازم کرتا ہوں کہ جس کے پاس بھی قرآن میں سے کچھ ہو جسے اُس نے خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہو اُسے میرے پاس لے آئے۔ چنانچہ لوگ لکڑی کی تختیاں، ہڈی کے ٹکڑے، کھجور کی چھالیں جن میں قرآن لکھا ہوا تھا لانے لگے۔ جو شخص لے کر آتا اس سے حضرت عثمانؓ پوچھ لیتے کہ کیا اس نے یہ کچھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ پھر انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ تم میں فصیح ترین شخص کون ہے؟ لوگوں نے سعید بن العاصؓ کا نام لیا۔ پھر پوچھا کہ بہترین ماہر کتابت کون ہے۔ لوگوں نے زید بن ثابتؓ کا نام لیا۔ آپ نے فرمایا اچھا زیدؓ لکھیں اور سعید لکھوائیں چنانچہ کئی مصحف لکھے گئے۔ اور ان کو مختلف شہروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مصعبؓ بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس نے عثمانؓ کے اس فعل پر عیب چینی کی ہو۔

(۱۴) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ محمد (ابن ابیؓ) سے نقل کرتے ہیں کہ لوگ قرآن پڑھتے تھے اور نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو کہتا تھا کہ جو کچھ تو پڑھتا ہے اس سے تو کافر ہو گیا۔ اس کی اطلاع عثمانؓ بن عفان کو کی گئی تو ان کے دل پر بڑی گرانی ہوئی اور انہوں نے قریش اور انصار کے بارہ آدمیوں کو جمع کیا جن میں ابی بن کعبؓ اور زیدؓ بن ثابت بھی تھے۔ اور ان سب کو اس صحن میں اکٹھا کر دیا جو حضرت عمرؓ کے مکان میں تھا۔ اسی مکان میں قرآن رکھا رہتا تھا حضرت عثمانؓ بھی

ان لوگوں کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔ محمد (ابنؓ ابی) کہتے ہیں کہ مجھ سے کثیر ابن افلح نے بیان کیا جو ان لوگوں کے لئے قرآن لکھنے والوں میں سے ایک تھے کہ اکثر ان بارہ آدمیوں میں اختلاف ہو جاتا تھا تو اس اختلافی آیت کو وہ مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے کثیر سے پوچھا کہ تم لوگ اس کو مؤخر کیوں کر دیا کرتے تھے تو انہوں نے بتایا کہ مجھے معلوم نہیں۔ محمد کہتے ہیں کہ میں نے اس بارہ میں ایک گمان بنایا ہے تم لوگ اسے یقین نہ بنا لینا۔ میرا گمان یہ ہے کہ جب ان میں کسی آیت کے متعلق اختلاف ہوتا تھا تو وہ اسے اس لئے مؤخر کر دیتے تھے کہ دیکھیں کوئی ایسا آدمی مل جائے جو حضورؐ کے ساتھ آپ کے آخری دور میں شریک رہا ہو تو اس آیت کو اس کے قول کے مطابق لکھ لیں۔

قرآن کی ترتیب حضرت عثمانؓ نے قائم کی تھی

(۱۵) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے عثمانؓ سے کہا کہ تم نے سورۂ انفال کو جو مثانی میں سے ہے سورۂ براءت کے ساتھ کیوں رکھ دیا حالانکہ وہ مئین میں سے ہے اور پھر ان دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا ہے۔ ایسا تم نے کیوں کیا۔ عثمانؓ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف زمانوں میں مختلف عدد والی سورتیں نازل ہوتی رہتی تھیں جب آپ پر کچھ وحی نازل ہوتی تو کسی کاتب کو آپ بلا کر فرما دیتے کہ اس آیت کو ایسی ایسی سورت میں رکھ دو، جس میں ایسا ایسا تذکرہ آیا ہے۔ سورۂ انفال ان سورتوں میں سے ہے جو ابتداءً مدینہ میں نازل ہوئیں۔ اور سورۂ براءت بالکل آخر میں نازل ہوئی ہے مگر دونوں کا قصّہ ایک سا ہے۔ مجھے خیال گذرا کہ سورۂ براءت، سورۂ انفال ہی کا حصّہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور نہیں آپ نے یہ بتایا نہیں کہ آیا واقعی یہ اسی کا حصّہ ہے بھی یا نہیں۔ اسی وجہ سے میں نے دونوں کو یکے بعد دیگرے لکھ دیا ہے اور دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی سطر نہیں لکھی اور دونوں کو سبع طوال میں رکھ دیا۔

یہاں تک یہ کہا گیا ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ کے عہد میں مرتّب ہوا۔ لیکن یہ قرآن کس قسم کا تھا اس کی بابت بھی سن لیجئے۔

قرآن میں غلطیاں رہ گئیں

(۱۶) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن عامر قرشی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ مصحف سے فارغ ہو گئے اور انہوں نے اسے دیکھا تو فرمایا تم لوگوں نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا مگر اس میں کچھ غلطیاں مجھے نظر آتی ہیں جنہیں عرب لوگ اپنی زبانوں سے ٹھیک کر لیں گے۔

لیجئے! قرآن عہدِ عثمانی میں مرتب تو ہوا لیکن اس میں بھی غلطیاں رہ گئیں۔ ان غلطیوں کو حضرت عثمانؓ نے درست نہیں کیا بلکہ علیٰ حالہٖ رہنے دیا کہ عرب خود اپنی زبان سے درست کر لیں گے۔ اور آگے بڑھیئے۔

(۱۷) امام ابن ابی داؤد اپنی سند کے ساتھ عکرمہ طائی سے نقل کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمانؓ کے

پاس مصحف لایا گیا تو اس میں انہیں کچھ غلطیاں نظر آئیں۔ اس میں انہوں نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا بنو ہذیل کا اور لکھنے والا بنو ثقیف کا کوئی آدمی ہوتا تو اس میں یہ غلطیاں نہ پائی جاتیں۔

(۱۸) سعید ابن جبیر سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قرآن میں چار حرف غلط ہیں۔ ۱۔ الصابئون (۵/۶۹)۔ ۲۔ والمقیمین (۴/۱۶۲)۔ ۳۔ فاصدق واکن من الصلحین (۶۳/۱۰) اور ۴۔ ان ھذان لساحران (۲۰/۶۳)۔

(۱۹) زبیر ابو خالد کہتے ہیں کہ میں نے ابان بن عثمان سے پوچھا کہ آیت والراسخون فی العلم منھم والمومنون یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ۔ الآیہ کیسے ہو گیا۔ آگے اور پیچھے رفع لایا گیا ہے اور المقیمین پر نصب ہے۔ ابانؒ نے جواب دیا کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ پہلا حصہ لکھ چکا تھا۔ اس نے پوچھا کہ آگے کیا لکھوں۔ لکھوانے والے نے کہا المقیمین الصلوۃ لکھو۔ اس سے جو کچھ کہا گیا لکھ دیا۔

(۲۰) عروہ کہتے ہیں کہ قرآن کی غلطیوں کے متعلق میں نے حضرت عائشہ رضؓ سے پوچھا۔ ان ھذان لساحران اور والمقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ۔ اور۔ والذین ھادوا والصابئون کے متعلق سوال تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ نے کہا۔ "بھتیجے! یہ کاتبوں کا کام ہے کہ انہوں نے لکھنے میں غلطی کر ڈالی"۔

صرف غلطیاں ہی نہیں رہ گئی تھیں بلکہ بعض آیات بھی قرآن میں درج ہونے سے رہ گئی تھیں۔ (مثلاً) ہمارے ہاں مشہور ہے کہ شادی شدہ زانی کی سزا سنگسار ہے لیکن قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں — اس ضمن میں، سنن ابن ماجہ میں (جو صحاح ستہ کی ایک مستند کتاب ہے) حضرت عائشہ رضؓ کی طرف یہ روایت منسوب ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ آیۂ رجم (سنگسار) اور رضاعت کبیر والی آیت ایک صحیفہ میں تھی جو میرے تخت کے نیچے رکھا تھا۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو ہم لوگ حادثہ میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں گھر کی پالتو بکری آ گئی۔ اور اس صحیفہ کو کھا گئی۔ (اور وہ آیتیں ضائع ہو گئیں)۔ چنانچہ اس کے بعد فیصلہ یہ کیا گیا کہ یہ آیت قرآن میں تو داخل نہ کی جائے ——— لیکن عمل اس کے مطابق ہو۔

حجاج بن یوسف نے غلطیوں کی تصحیح کی

امام ابی داؤد نے اپنی سندوں کے ساتھ عوف بن ابی جمیلہ سے نقل کیا ہے کہ حجاج ابن ابی یوسف ثقفی نے اپنے زمانے میں حضرت عثمانؓ کے مصحف میں گیارہ مقامات پر غلطیوں کی تصحیح کی تھی۔ (اس کے بعد ان غلطیوں کی فہرست دی گئی ہے)۔

(۰)

اس کے بعد کتاب المصاحف میں ہے کہ جو نسخہ حضرت عثمانؓ نے مرتب فرمایا تھا اس میں اور مدینہ منورہ کے دیگر مصاحف میں کئی ایک آیات میں اختلاف تھا۔ اس کتاب میں اس قسم کے تمام اختلافی مقامات درج ہیں۔ نیز یہ کہ قرآن مجید کے جو نسخے مختلف شہروں کے لئے مرتب کئے گئے تھے ان میں

بھی باہمدگر اختلاف تھا۔ (ان اختلافات کو بھی اس کتاب میں تفصیل سے دیا گیا ہے)۔

اختلافِ قرأت

ازاں بعد" امام ابنِ داؤدؒ" نے اپنی کتاب (نیز اس کے انگریزی ترجمہ میں، جسے مشہور مستشرق آرتھر جیفری نے بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے) ان قرآنی نسخوں کی تفصیل دی ہے جو عہدِ حضرت عثمانؓ اور ان کے بعد، مختلف صحابہؓ اور تابعینؒ کے کے پاس تھے اور جن میں بے شمار آیات ایسی تھیں جو مصحفِ عثمانی میں درج شدہ آیات سے مختلف تھیں۔ کتاب میں یہ آیات بھی درج ہیں لیکن ہم بغرضِ اختصار انہیں حذف کرتے ہیں، اور صرف ان کی تعداد بتانے تک اکتفا کرتے ہیں۔

(۱) مصحف حضرت ابن مسعودؓ (۱۳۲۲)۔ (۲) حضرت ابی بن کعبؓ (۹۵۲)۔ (۳) حضرت علیؓ (۸۹)۔ (۴) حضرت ابن عباسؓ (۱۸۶)۔ (۵) حضرت ابو موسےٰؓ (۴) (۶) حضرت حفصہؓ (۱۰)۔ (۷) حضرت انس بن مالکؓ (۲۴)۔ (۸) حضرت عمرؓ (۲۸)۔ ۹۔ حضرت زید بن ثابتؓ (۱۰)۔ (۱۰) حضرت ابن زبیرؓ (۳۴)۔ (۱۱) حضرت عمرؓ بن العاص (تعداد معلوم نہیں)۔ (۱۲) حضرت عائشہؓ۔ (۱۳) حضرت سالمؓ (۲)۔ (۱۴) حضرت ام سلمہؓ (۴)۔ (۱۵) حضرت عبید ابن عمیرؓ (۱۸)۔

یعنی صحابہ کبارؓ کے پاس قرآنِ کریم کے جو نسخے تھے ان میں اس قدر آیات، مصحفِ عثمانی سے مختلف تھیں۔ ان کے علاوہ (کتاب المصاحف میں) تابعین کی طرف منسوب مصاحف کا بھی ذکر ہے، نیز ایسے مصاحف کا جو بے نام ہیں۔ ان کی اختلافی آیات کی تعداد مندرجہ بالا آیات سے الگ ہے۔

—————— (۰) ——————

عہدِ صحابہ اور عہدِ تابعین میں قرآن کے اندر جو اختلافات تھے وہ لب و لہجہ کے اختلافات نہیں تھے۔ بعض جگہ آیتوں کی آیتیں اور اکثر الفاظ ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ ان اختلافات کو کسی طرح بھی لب و لہجہ کا اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ لب و لہجہ کا اختلاف یہی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک لفظ کو کسی خاص ہیئت سے ادا کرتا ہے تو دوسرا شخص اس لفظ کو دوسری ہیئت سے ادا کرتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں شخصوں کے وطن اور قبیلے مختلف ہوں۔ ایک ہی خاندان اور ایک ہی مقام کے دو شخصوں کے تلفّظ اور طرزِ ادا میں قطعاً کوئی فرق نہیں ہو سکتا۔ مگر ان اختلافات کی صورت یہ تھی کہ ایک ہی قبیلہ اور خاندان اور ایک ہی مقام کے لوگوں کے قرآن پڑھنے میں اختلافات موجود تھے۔ اس کے ثبوت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سنئیے۔ یہ روایت کتاب المصاحف کے علاوہ خود صحیح بخاری میں بھی ($\frac{۲۴۷}{ج ۲}$) پر موجود ہے۔ روایت کا لفظی ترجمہ درج ذیل ہے:۔

مسور ابن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبدٍ قاری حضرت عمرؓ سے سن کر بیان کرتے ہیں، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم (ابن حزام) کو رسول اللہ صلعم کی زندگی میں سورۂ فرقان پڑھتے ہوئے سنا۔ میں نے ان کا پڑھنا سنا تو بہت سارے ایسے الفاظ پڑھ رہے تھے جو مجھے رسول اللہ صلعم نے نہیں پڑھائے تھے۔ قریب تھا کہ میں نماز ہی میں ان پر حملہ کر

بیٹھوں مگر میں نے بمشکل صبر کیا۔ حتیٰ کہ انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے انہی کی چادر میں انہیں کس لیا اور میں نے ان سے پوچھا کہ یہ سورت جو میں نے تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے تمہیں کس نے پڑھائی۔ انہوں نے کہا کہ مجھے تو رسول اللہ صلعم نے پڑھائی ہے۔ میں نے کہا تو جھوٹ بولتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلعم نے خود مجھے اس کے خلاف پڑھائی ہے جو تو پڑھ رہا تھا اور میں اس کو کھینچتا ہوا رسول اللہ صلعم کی طرف لے چلا اور میں نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ میں نے اس کو سورۂ فرقان کو ایسے الفاظ میں پڑھتے ہوئے سنا ہے جو آپ نے مجھے نہیں پڑھائے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا "انہیں چھوڑ دو۔ ہشام! پڑھو" چنانچہ ہشام نے اسی طرح رسول اللہ صلعم کے سامنے پڑھ دیا جیسا کہ میں نے پڑھتے ہوئے سنا تھا۔ اس پر رسول اللہ صلعم نے فرمایا "یونہی تو نازل ہوئی ہے" پھر فرمایا۔ عمر! اب تم پڑھو۔ چنانچہ جس طرح حضورؐ نے مجھے پڑھائی تھی میں نے پڑھ کر سنائی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا "یوں بھی نازل ہوئی ہے"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ یہ قرآن تو سات حرفوں پر نازل ہوا ہے لہٰذا جس طرح آسان ہو پڑھ لیا کرو۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بھی قریشی ہیں اور مکہ کے رہنے والے ہیں اور ہشام ابن حکیم بھی قریشی اور مکی ہیں دونوں کی زبان ایک ہے دونوں کا لب ولہجہ ایک ہے۔ ایک خاندان اور ایک ہی مقام کے دو نوں آدمی سورۂ فرقان کو اس قدر اختلاف کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ان پر حملہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بمشکل نماز ختم ہونے تک صبر کرتے ہیں اور نماز کے بعد انہی کی چادر میں کس کر گھسیٹتے ہوئے رسول اللہ صلعم کے پاس لاتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم دونوں سے وہ سورت سنتے ہیں۔ ہشام بن حکیم سے سن کر بھی کہتے ہیں کہ ہاں یوں ہی تو نازل ہوئی ہے اور پھر حضرت عمرؓ سے سن کر بھی فرما دیتے ہیں کہ ہاں یوں بھی نازل ہوئی ہے۔

قرآنِ کریم کے جو نسخے اُمت میں متداول ہیں ان کے متن میں تو اس قسم کی اختلافی آیات درج نہیں لیکن ان اختلافات کو ہمارے علمائے کرام ابھی تک تسلیم کرتے چلے آرہے ہیں۔ آپ نے قرآنِ مجید کے حواشی یا تفاسیر میں اکثر اس قسم کے الفاظ لکھے دیکھے ہوں گے کہ (مثلاً) قرأتِ حضرتِ ابن عباسؓ میں یوں بھی آیا ہے۔" یہ وہی اختلافات ہیں جو اب تک چلے آرہے ہیں۔ "اختلافِ قرأت" کی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آسکے گی جب تک اس کی دو ایک مثالیں نہ پیش کر دی جائیں۔ ملاحظہ فرمائیے:۔

(۱) مرد اور عورت کے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں، قرآنِ کریم (سورۂ النساء) میں، ان رشتوں کی تفصیل دینے کے بعد جن سے نکاح حرام ہے، کہا گیا ہے:

وَاُحِلَّ لَکُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِکُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً ...... (۴/۲۴)۔

اور جو اس کے سوا ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ اس طرح کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ساتھ چاہو نکاح میں لاکر نہ کہ شہوت رانی کرتے ہوئے۔ سو تم ان میں سے جس کے ساتھ نفع اٹھانا چاہو تو انہیں ان کے مقرر کردہ مہر دے دو۔

سُنیوں کے ہاں اس معاہدہ کا نام نکاح ہے جو مہر ادا کرکے، دائمی طور پر کیا جاتا ہے اور جو موت یا طلاق سے فسخ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس شیعہ حضرات متعہ کے قائل ہیں جس میں ایک مرد اور ایک عورت، ایک مدّتِ معیّنہ کے لئے، مباشرت کا معاملہ طے کر لیتے ہیں اور اس کے لئے اس عورت کو جنسی تعلق کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ سُنیوں کے ہاں متعہ حرام ہے۔

اس تمہید کے بعد آگے بڑھئے۔ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضؓ سُنیوں کے جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کی قرأت (مصحف) میں مندرجہ بالا آیت یوں آئی ہے:-

فاستمتعتم بہ منہن الیٰ اجل مسمّی ....

تم ان سے ایک مدّتِ معیّنہ کے لئے فائدہ اٹھاؤ۔

یعنی اس قرأت کی رُو سے آیتِ قرآنی میں "الیٰ اجل مسمّی" کا اضافہ ہے جس سے متعہ کی سند مل جاتی ہے۔ اب دیکھئے کہ اس اضافہ کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ کیا فرماتے ہیں۔ سُنیوں کی سب سے پہلی، اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد تفسیر، طبری ہے۔ وہ اس آیت (۲۴/۴) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

ابو نضرہ کی روایت ہے کہ میں نے ابنِ عباس رضؓ سے متعہ کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے کہا کہ کیا تم سورۃ النسآء کی تلاوت نہیں کرتے۔ میں نے کہا۔ کیوں نہیں۔ کہا، پھر اس میں یہ آیت نہیں پڑھا کرتے کہ فما استمتعتم بہ منہن الیٰ اجل مسمّی۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ میں اگر اس طرح پڑھتا ہوتا تو آپ سے دریافت کیوں کرتا۔ انہوں نے کہا کہ اچھا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اصل آیت یونہی ہے۔ عبدالاعلےٰ کی روایت میں بھی ابو نضرہ سے اس طرح کا واقعہ منقول ہے۔ تیسری روایت میں بھی ابو نضرہ سے نقل ہے کہ میں نے ابن عباس رضؓ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔ فما استمتعتم بہ منہن۔ ابنِ عباس رضؓ نے کہا۔ الیٰ اجل مسمّی۔ میں نے کہا۔ میں تو اس طرح نہیں پڑھتا۔ انہوں نے تین مرتبہ کہا۔ "خدا کی قسم! خدا نے اسی طرح نازل کیا ہے"۔

اسے کہتے ہیں اختلافِ قرأت۔ یعنی (روایات کی رُو سے) حضرت ابنِ عباس رضؓ (اور دیگر صحابہ رضؓ) کا دعوےٰ تھا کہ وہ آیات اسی طرح نازل ہوئی تھیں جس طرح ان کے صحیفوں میں درج ہیں، نہ اس طرح جس طرح وہ مصحفِ عثمانی میں مذکور ہیں۔ کہا جائے گا کہ اس ساری "سازش" کا مدار "کتاب المصاحف" پر ہے، اسے کس طرح مستند تسلیم کیا جاتا ہے؟ لیکن صاحبِ کتاب المصاحف نے اپنی کتاب میں اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا۔ انہوں نے اختلافِ قرأت سے متعلقہ روایات کو کتبِ احادیث سے اکٹھا کرکے، یکجا مرتب

.....کر دیا ہے۔ اور یہ کتب احادیث وہ ہیں، جنہیں ہمارے ہاں مستند تسلیم کیا جاتا ہے۔

اور سب سے بڑی "سند" یہ کہ ہمارے علماء کرام اس "اختلافِ قرأت" کے قائل ہیں۔ ایک اور مثال دیکھئے:۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ سُنّی حضرات وضو میں پاؤں دھوتے ہیں اور شیعہ حضرات پاؤں پر مسح کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے سید ابوالاعلیٰ مودودی (مرحوم) سے دریافت کیا کہ ان میں سے کونسا طریق قرآن کے مطابق ہے۔ مودودی صاحب نے اس کے جواب میں (جو ترجمان القرآن بابت فروری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا) پہلے قرآن کی متعلقہ آیت درج کی جو حسب ذیل ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ط..... (۵/۶)

اس کے بعد تحریر فرمایا:۔

اس میں لفظ وَأَرْجُلَكُمْ کی دو قرأتیں متواتر ہیں۔ نافع، ابن عامر، حفص، کسائی اور یعقوب کی قرأت وَأَرْجُلَكُمْ (بفتح لام) ہے اور ابن کثیر، حمزہ، ابوعمرو اور عاصم کی قرأت وَأَرْجُلِكُمْ (بکسر لام)۔ ان میں سے کسی قرأت کی حیثیت بھی یہ نہیں ہے کہ بعد میں کسی وقت بیٹھ کر نحویوں نے اپنے اپنے فہم اور منشاء کے مطابق الفاظِ قرآنی پر خود اعراب لگا دیئے ہوں۔ بلکہ یہ دونوں قرأتیں متواتر طریقے سے منقول ہوئی ہیں۔ اب اگر پہلی قرأت اختیار کی جائے تو وَأَرْجُلَكُمْ کا تعلق فَاغْسِلُوا کے حکم سے جڑتا ہے اور معنی یہ ہو جاتے ہیں "اور دھوؤ اپنے پاؤں ٹخنوں تک" اور اگر دوسری قرأت قبول کی جائے تو اس کا تعلق وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ سے قائم ہوتا ہے اور معنی یہ نکلتے ہیں "اور مسح کرو اپنے پاؤں پر ٹخنوں تک"۔

یہ صریح اختلاف ہے جو ان دو معروف و مشہور اور متواتر قرأتوں کی وجہ سے آیت کے معنی میں واقع ہو جاتا ہے۔ اس تعارض کو رفع کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ دونوں قرأتوں کو کسی ایک ہی مفہوم (غسل یا مسح) پر محمول کیا جائے۔ لیکن اس کی جتنی کوششیں بھی کی گئیں وہ ہمیں کسی قطعی نتیجے پر نہیں پہنچاتیں کیونکہ جتنے وزنی دلائل کے ساتھ ان کو غسل پر محمول کیا جا سکتا ہے قریب قریب اتنے ہی وزنی دلائل مسح پر محمول کرنے کے حق میں بھی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ محض قواعدِ زبان کی بنا پر ان میں سے کسی ایک معنے کو ترجیح دی جائے۔ لیکن یہ صورت بھی مفید طلب نہیں۔ کیونکہ دلائلِ ترجیح دونوں پہلوؤں میں قریب قریب برابر ہیں۔ اب آخر اس کے سوا چارہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عمل کو دیکھا جائے۔

اور اس کے بعد لکھا :-

قرآن کے الفاظ سے جو بات واضح نہ ہوتی ہو اسے سمجھنے کے لئے اس ذریعہ سے زیادہ معتبر ذریعہ اور کونسا ہو سکتا ہے۔

قطع نظر اس کے کہ شیعہ حضرات اسی "معتبر ذریعہ" کی رُو سے پاؤں پر مسح کرتے ہیں اور سُنّی حضرات کا دعویٰ ہے کہ وہ بھی اسی معتبر ذریعہ" کی رُو سے پاؤں دھوتے ہیں۔ مودودی مرحوم کا ارشاد ہے کہ قرآنی آیت کی دونوں قرأتیں متواتر ہیں اور ایسی مستند کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ (مودودی مرحوم کے ارشاد کے مطابق) قرآن کریم کی یہ آیت (اَرْجُلَكُمْ) لَ کے زبر کے ساتھ بھی نازل ہوئی تھی۔ اور زیر کے ساتھ بھی۔ اور دونوں کا یہ اختلاف اس قدر اہم ہے کہ ایک قرأت کی رُو سے پاؤں دھونے کا حکم ملتا ہے اور دوسری قرأت کی رُو سے پاؤں پر مسح کرنے کا۔ اور اس طرح" قرآن کے الفاظ سے بات واضح نہیں ہوتی"

آپ سوچئے کہ اس کے بعد، قرآنِ مجید کے متعلق کیا تصوّر قائم ہوتا ہے، اور ہم جو دنیا کے سامنے یہ دعوے پورے حتم و یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اس کتاب میں حرف اور نقطہ کا بھی تغیّر و تبدّل نہیں ہوا۔ اس دعویٰ کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے ——— اور اس کے بعد سوچئے کہ ایسی کتاب نازل کرنے والے (خدا) کے متعلق (معاذ اللہ) کیا تصوّر قائم ہوتا ہے، جو متضاد احکام نازل کر دیتا ہے؟ اور اگر خدا نے اس آیت کو ایک ہی شکل میں نازل کیا تھا ——— یعنی لَ کے زیر یا زبر کے ساتھ ——— تو اگلی صورت یہی سامنے آتی ہے کہ رسول اللہؐ نے (معاذ اللہ) کسی کو لَ کے زیر کے ساتھ بتا دیا اور کسی کو زبر کے ساتھ۔ اس صورت میں سوچئے کہ خدا کے رسُول کے متعلق کیا تصوّر سامنے آتا ہے۔ اور اگر یہ صورت بھی نہیں تھی تو پھر فرمائیے کہ یہ دو قرأتیں کس طرح وجود میں آئیں۔

(۰)

آخر میں اختلافِ قرأت کی وہ مثال سُنیئے جس سے قرآنِ مجید میں ایسا اضافہ ہوتا ہے جس سے ختمِ نبوّت کی مہر ٹوٹ جاتی ہے۔

قرآنِ مجید میں ہے :-

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۲۲/۵۲)

(وحی کا سلسلہ ایسا رہا ہے کہ) کوئی رسول اور نبی ایسا نہیں آیا جس (کے بعد اس کی) وحی میں دین کے دشمنوں (شیاطین) نے آمیزش نہ کر دی ہو۔ (جب ایسی آمیزش ہو جاتی تو خدا ایک اور رسُول بھیج دیتا اور اس کی طرف نازل کردہ وحی کے ذریعے) اس آمیزشِ شیطانی کو منسوخ کر کے خالص وحی کو پھر محکم کر دیتا ——— یہ سب کچھ خدا کے علم و حکمت

کی بنا پر ہوتا تھا۔

اس آیت میں خدا کی طرف سے آنے والوں کو رسول یا نبی کہا گیا ہے۔ لیکن قرأتِ حضرت ابنِ عباسؓ میں ہے:۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ إِلَّا . . . .

یعنی اس قرأت کی رُو سے، خدا کی طرف سے رسول اور نبی اور محدّثؑ آیا کرتے تھے۔ (اس قرأت میں لفظ محدّث کا اضافہ ہے) ۔ جب میرزا غلام احمد کے مامور من اللہ ہونے کے دعویٰ پر اعتراض کیا گیا تو انہوں نے کہا:۔

آپ لوگ کیوں قرآن شریف میں غور نہیں کرتے اور کیوں سوچنے کے وقت غلطی کھا جاتے ہیں۔ کیا آپ صاحبوں کو خبر نہیں کہ صحیحین سے ثابت ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اس اُمت کے لئے بشارت دے چکے ہیں کہ اس اُمت میں بھی پہلی اُمتوں کی طرح محدّث پیدا ہوں گے۔ اور محدّث بفتح دال وہ لوگ ہوں گے جن سے مکالمات و مخاطبات الٰہیہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ ابن عباسؓ کی قرأت میں آیا ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ وَلَا مُحَدَّثٍ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ۔ پس اس آیت کی رُو سے بھی جس کو بخاری نے بھی لکھا ہے، محدّث کا الہام یقینی اور قطعی ثابت ہوتا ہے جس میں دخل شیطان کا قائم نہیں رہ سکتا۔

(براہینِ احمدیہ۔ شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور ۱۹۷۰ء اگست ایڈیشن صفحہ ۳۴۶۔ حاشیہ در حاشیہ)

ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اختلافِ قرأت کے فتنہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ہمارے علمائے کرام، قرآن کے متداول متن کو بھی منجانب اللہ مانتے ہیں اور ان اختلافی آیات کو بھی منجانب اللہ کیونکہ ان کی بنیاد احادیث پر ہے۔ ہم نے ان اختلافی آیات کی صرف دو تین مثالیں پیش کی ہیں، آپ قرآن کریم کے نسخوں میں اکثر مقامات پر یہ لکھا دیکھیں گے کہ ایک اور قرأت میں یوں بھی آیا ہے" یعنی یہ آیت یوں بھی نازل ہوئی تھی اور یوں بھی۔

(۶)

یہ ہے روایات کی رُو سے قرآن مجید کے جمع اور مرتب ہونے کی داستان! آپ سوچئے کہ اس کے بعد آپ کسی طور بھی یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ جو قرآن کریم اُمت کے پاس ہے وہ حتمی اور یقینی طور پر لفظاً لفظاً وہی ہے جسے نبی اکرمؐ نے اُمت کو دیا تھا؟ یاد رکھئے! یہ تمام روایات وضعی ہیں اور ایک بڑی گہری سازش کا نتیجہ۔ ہم کسی دوسری نشست میں واضح کریں گے کہ قرآن کریم، بغیر کسی اختلاف کے خدا کی طرف سے نازل ہوا۔ اسے خود نبی اکرمؐ نے اسی طرح مرتب کر کے اُمت کو دیا اور وہی قرآن، بغیر ایک حرف کے تغیر و تبدّل کے مکمل شکل میں اُمت کے ہاں متداول چلا آرہا ہے۔

(۷)

ؑ قرآن مجید میں محدّث کا لفظ تک نہیں آیا۔

محترمہ ثریا عندلیب

سامعینِ درس کی خدمت میں

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف!
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

آج میں اپنے ان بہن بھائیوں سے مخاطب ہوں جنہیں خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے اس ہفتہ واری درسِ قرآن کو سننے اور برابر سنتے چلے جانے کی سعادت حاصل ہے جسے استادِ مکرّم جناب پرویزؒ یہاں (لاہور میں) عرصہ تیئس سال سے دیتے چلے آرہے ہیں۔ اور ہماری یہ بہت بڑی خوش بختی ہے کہ انہوں نے اپنے اس بے مثال درس کے ذریعے پورے قرآنِ کریم کے مطالب و مفاہیم کو ایک دفعہ ہمارے ذہن نشین کرا دینے کے بعد ہماری خواہش و فرمائش پر دوبارہ پھر پہلے پارے سے یہ چشمۂ فیض جاری کر دیا اور اللہ تعالےٰ کی رحمتِ بے پایاں سے ہمارے معلمِ عزیز اور ہم سامعین کو زندگی کی اتنی مہلت ملی اور مل رہی ہے کہ ہم دوسری دفعہ ۲۶ ویں پارے تک پہنچ گئے ہیں۔ کیا ہم نہیں جانتے کہ تیئس سال پر محیط عرصہ کچھ کم مدّت نہیں! اور کیا ہمارے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور نعمت ہو سکتی ہے جس سے ہم اس تمام عرصے میں اپنی جھولیاں بھرتے رہے ہیں! اس مفکرِ قرآن نے (جو ہمارے باباجی ہیں) اپنی بصیرتِ قرآنی سے کس کس طرح حقائقِ قرآنی کو ہم پر وا شگاف نہیں کیا! ان کے اپنی طرز کے مخصوص و منفرد درسِ مسلسل سے ہمیں کیا کیا کچھ حاصل نہیں ہوا! اس شفیق معلّم کی بدولت کیسے کیسے حیات آفریں نکاتِ قرآنی ہم پر واضح نہیں ہوئے! کس طرح ایک ایک لفظ کے معانی کے وہ وہ دُرِّ نایاب ہمیں ارزاں نہیں کئے گئے جن کا ہم اپنے اس کوتاہ نظر و تنگ داماں ماحول میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ کلام اللہ کے مفہوم کا ایسا نکھرا ہوا اور دلوں میں اُتر جانے والا انداز ہمیں اسی دیدہ ور عاشقِ قرآن نے دیا ہے۔ جو ہر درس میں ہمیں یاد دلاتے ہیں کہ قرآن کا ایک ایک لفظ غور طلب ہوتا ہے قرآن کے لفظوں پر سے یونہی نہ گزر جایا کرو۔ اس کا ہر لفظ رُک کر سوچنے اور سمجھنے کا تقاضا کرتا ہے۔ کیا اس حقیقتِ درخشندہ سے ہم انکار کر سکتے ہیں کہ اس رہبرِ فرزانہ نے قطع نظر اپنی بیش بہا بیسیوں تصانیف اور طلوعِ اسلام پر پھیلے ہوئے ہزارہا صفحات پر مشتمل تحاریر کے گذشتہ تیئس برسوں کے درسِ قرآن سے ہمارے اذہان و قلوب کو مذہب زدہ جامد اور باطل عقائد سے جس طرح پاک و صاف کیا ہے وہ اسی مفکرِ قرآن کا حصّہ ہے۔ یہ عقل و فہم کو دستک دینے والے درس۔ یہ روشن دلائل و براہین کے ساتھ حق

کی وضاحت کرنے والے اسباق۔ یہ دل و دماغ کے بند دریچے کھولنے والے حقائق۔ یہ ہمارے غور و فکر کی سوئی ہوئی صلاحیتیں بیدار کرنے والی آیاتِ بیّنات۔ یہ اس قدر سلجھا ہوا دل نشین اندازِ بیان، کسی پیچ و خم کے بغیر اس سادگی اور صفائی کے ساتھ قرآن کی حقیقتوں کی وضاحت کہ کسی مقام پر ذرہ بھر اُلجھاؤ پیدا نہیں ہوتا۔ کیا ہمارے لئے بدرگاہِ رب العزّت یہ مقامِ سجدہ ریزی نہیں کہ اس ذاتِ رحیمی ..... نے اپنی کتاب کو موجودہ زمانے کی علمی سطح کے مطابق بے نقاب کرنے کے لئے ہمیں ایسا محقق عطا کیا جس نے قرآن کو قرآن سے، تعریفِ آیات کے ذریعے اور بہ علومِ حاضرہ کی روشنی میں سائنٹیفک انداز سے سمجھا اور سمجھایا اور بتایا کہ اسلام مذہب نہیں دین ہے۔ خدا کے فرمان کے مطابق مکمل دین۔ جس کا مقصود عالم گیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہے۔ جو انسان کی علمی و عقلی صلاحیتوں کو جِلا دینے کا موجب بنتا ہے۔ جو اپنے ہر دعویٰ کو دلیل و برہان کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ جو انسان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ جو اسے حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور اس کے سطحی جذبات کی کچھ پرواہ نہیں کرتا۔ جو خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت و بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔ وہ دین جو خدا کے بندوں کو وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل کا پیغام دیتا اور نظامِ خداوندی کو دنیا کے ہر نظامِ باطل پر غالب کرنے کو عبادت کی غایت بتاتا ہے۔ وہ دین جو ہماری اس دنیا کو سنوار کر ہمیں یہاں بھی جنّت عطا کرتا ہے اور مرنے کے بعد اگلی زندگی میں بھی۔ یوں اس محکم و مستحکم دینِ مبین کی حقیقتِ کبریٰ چمکتے دمکتے سورج کی طرح ہمارے سامنے آگئی۔ اس کے ساتھ ہی دوسری حقیقتِ باہرہ یہ بھی ہے کہ قرآنِ پاک کے ان انمول جواہر کو حاصل کرنے میں ہم نے از خود نہ کوئی محنت کی نہ تکلیف اٹھائی۔ ہم نے تو یہ سمجھ لیا کہ یہ ساری ذمہ داری اسی جویائے حقیقت اور طالبِ علم قرآن حکیم کی ہے جو گذشتہ پچاس پچپن سال سے ہمّت و استقامت کا پیکر بن کر فکرِ قرآنی کے راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے دن رات جگر سوزی و نفس گدازی میں لگا ہوا ہے۔ بلاشک و شبہ یہ ہم سب کی انتہائی خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس دورِ بے طور میں ایسا مردِ راہ داں نصیب ہوا جو مینارۂ نور کی طرح ایستادہ منزلِ حق کی نشان دہی کر رہا ہے۔

لیکن میرے عزیز بہن بھائیو! ہمارے باباجی نے ہمیں قرآن کی تعلیم سے اس لئے روشناس نہیں کرایا کہ ہم اسے محض اپنے نہاں خانۂ دماغ میں رکھ لیں اور دل کی گہرائیوں سے اس کا رشتہ نہ جوڑیں۔ اس مقام پر ہمیں اپنی حالت کا جائزہ لینا چاہئے۔ ہم ہر جمعہ بڑی باقاعدگی سے اس درسِ قرآن میں شریک ہوتے ہیں۔ بڑی توجّہ اور دھیان سے اسے سُنتے ہیں۔ قرآن کے اہم الفاظ کے بے پناہ وسعت لئے ہوئے مطالب کو سمجھنے پر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ بعض مقامات پر جب ہماری دکھتی رگ پکڑی جاتی ہے تو ہماری حالت دگرگوں ہونے لگتی ہے۔ قرآنی احکام کے سامنے اپنے اعمال پر تقطر ڈال کر ہماری آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں۔ آنسو بھی چھلک پڑتے اور مجموعی طور پر اپنی قوم کا خیال کر کے ہمارا رُواں رُواں

کا نپ اٹھتا ہے۔ لیکن، اور یہ لیکن بڑا تلخ ہے کہ ہماری یہ کیفیت عارضی اور لمحاتی ہوتی ہے۔ درس ختم ہو جاتا ہے تو گویا ہمارا کام بھی ختم ہو جاتا ہے۔ پھر ہم ہوتے ہیں اور ہمارے پیش پا افتادہ مفاد۔ ہمارے اپنے جذبات۔ ہمارے اپنے خیالات۔ قرآنی اصول و اقدار سے بے نیاز۔ کیا ہمارے معمولاتِ شب و روز، ہمارے اخلاق و اطوار اس کے شاہد نہیں! ہماری حالت تو یہ ہو گئی ہے کہ ہم ہر آن، ہر سانس میں کبھی مسلمان ہوتے ہیں کبھی کفر اختیار کرتے ہیں۔ اور آپ کو یاد ہو گا کہ قرآن کہتا ہے کہ ایسے لوگ اپنی اس تباہ کن روش کے بدترین نتائج سے ہرگز نہیں بچ سکتے۔ اور زندگی کی خوشگواریاں اور شادابیاں کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ ایک طرف ہمارے دینِ قیم کے ٹھوس نظریات ہیں، دوسری طرف ہمارے اعمال کا کھوکھلا پن۔ باوجود اس کے کہ ہم نے ہر قدم پر ایسے میر کارواں کی راہنمائی میں قرآن کی تعلیمات کو سمجھا اور سمجھتے چلے جا رہے ہیں، اپنے اعمال کو قوانینِ خداوندی کے تابع نہ رکھیں تو ہم سے زیادہ سوختہ بخت کون ہو گا!! اس موقع پر ہمیں سب سے پہلے اپنے آپ سے یہ پوچھنا ہو گا کہ ہمارا ان درسوں میں شریک ہونے کا مقصود کیا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ چونکہ دیگر روزمرہ کاموں کی طرح ہم اس کے بھی عادی ہو چکے ہیں اس لئے اسے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ چاہتے ہیں کہ اسے سنتے چلے جائیں اور اور بس! اس سے آگے اس کے تعلق سے ہمارے کرنے کا کوئی کام نہیں۔ ہماری کوئی ذمہ داری نہیں۔ ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ درس سنتے ہوئے ہمارے ذہن کو تسکین حاصل ہو گئی اور اللہ کے فضل سے ہمارا جمعہ کی صبح کا وقت بہت اچھا گزر گیا۔ یعنی، کیا ہمارا مقصود یہی نہیں کہ ہمارا یہ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ درس سنتے ہوئے اچھا گزرتا چلا جائے۔ اس سے زیادہ نہ ہمیں کچھ چاہیئے، نہ ہم کچھ کریں۔ اس درس کے دوران تو ہم ضرور کچھ اور ہو جاتے ہیں مگر جونہی ہم اس درس سے الگ ہوئے۔ واپس اپنی "جون" میں پلٹ آئے یہ سوچتے ہوئے کہ ہم بھلا تنہا کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری کون سنتا ہے۔ ہم کسی کو کیا بتائیں گے! ہم معاشرہ کو کیسے بدل سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ یہ سوچا اور اپنے دل کو فریب دیکر مطمئن ہو گئے۔ پھر اگلا جمعہ آیا اور ہم میکانکی طور پر اپنی عادت کے مطابق اس مخصوص درس گاہ میں پہنچ گئے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ آپ ہی بتایئے، وہ راہنمائی کیا فائدہ پہنچا سکتی ہے جس پر عمل نہ کیا جائے۔ حقائقِ قرآنی کے ان چمکتے دمکتے موتیوں کو دیگر افرادِ معاشرہ میں تقسیم کرنا تو دور کی بات ہے ہم سے تو اتنا بھی نہیں ہوتا کہ ہم ان سے اپنی اپنی ذات ہی کو آراستہ کر لیں۔ ہم اس انمول درس سے کم از کم خود کو تو سنوار سکتے ہیں۔ اپنی ذات کی تو اصلاح کر سکتے ہیں۔ مگر یہ بھی اسی صورت میں ممکن ہے کہ درس سے حاصل کردہ اسباق ہمارے ذہن نشین رہیں۔ اس کے لئے ہمارے شفیق معلّم نے قریب قریب ہر درس میں ہمیں تاکید کی ہے کہ ہم درس کے اہم نکات سامعہ کے ساتھ قلم بند کرتے چلے جائیں۔ لیکن ہم میں سے کتنے ہیں جو اتنی سی تکلیف بھی اٹھانے کی طرف مائل ہوں۔ یہ نوٹس اس لئے ضروری ہیں کہ درس کے بعد ہم ان پر اپنے آپ توجہ دے سکیں۔ ان پر غور و فکر کر سکیں۔ قرآن کریم کو براہ راست سمجھ سکیں اور یہ سب کچھ اس مقصدِ وحید کے لئے ہو کہ ہم انفرادی و اجتماعی طور پر تعلیماتِ قرآنی کے مطابق ہو جائیں۔ اور احکامِ الٰہی پر غور و خوض کرتے ہوئے ہمارے لئے ان پر عمل کرنے کی راہیں کھلتی رہیں۔ ایسا تو ہونا چاہیئے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ہم اتنا بھی نہیں کرتے۔ ہم درس سنتے ہیں اور منتشر ہو جاتے ہیں..... ہم سامعینِ درس جو لاہور میں رہنے والے ہیں ہمیں یہ کتنی بڑی

سہولت حاصل ہے کہ ہم یہ درسِ قرآن مفکرِ قرآن کی زبانی ان کے سامنے بیٹھ کر سنتے ہیں۔ اس کا نفسیاتی طور پر قلب و ذہن پر جو گہرا اور مفید اثر ہوتا ہے اس سے کوئی ذی فہم انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود ایسی نعمتِ عظمیٰ کی ہم قدر نہ کریں اور اس سے فیض یاب ہو کر... بھی کورے کے کورے ہی رہیں تو پھر ہم سے بڑا بدنصیب کون ہوگا؟ کیا ہم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہم یہ درس سننے پر جنابِ پرویز کو لفظی خراجِ تحسین پیش کر کے اپنا فرض یا ان کا حق ادا کر دینگے! یہ ہماری بھول ہے ہمارا فرض اور ان کا حق ادا نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ ہم اپنے کردار و اعمال کی صورت میں وہ کچھ نہ بن جائیں جو قرآن کریم ہمیں بنانا چاہتا ہے۔ ہم تو صرف اس درس سننے کو ہی اپنا فرض سمجھ رکھا ہے جبکہ ہمارے استادِ محترم اس پیرانہ سالی اور ناتوانی کے باوجود، ہماری خاطر، امتِ مسلمہ کی خاطر اور عالمگیر انسانیت کی خاطر دن رات قرآنِ حکیم میں غوطہ زن ہیں۔ اور اپنی متفرق تصانیف کے گنجہائے گرانمایہ پیش کرتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن خالص پر جو اور جتنا کام اس مردِ مجاہد نے کیا ہے اس کی مثال کہیں ڈھونڈنے سے نہیں ملے گی۔ یہ صداقت اپنی جگہ محکم۔ کہ صداقت تو ہمیشہ صداقت ہی رہتی ہے مگر اے کاش! کچھ تو ہم نے بھی اپنی ذمہ داری کو پہچانا ہوتا! اس بندۂ خدا کی عمر بھر کی خانہ شماری کو کچھ تو جانا ہوتا۔ یقین جانئے! ایسا نابغۂ روزگار روز روز نہیں پیدا ہوا کرتے۔ اس چمن کو صدیوں میں ایسا دیدہ ور ملا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطۂ حیاتِ انسانی یعنی آیاتِ قرآنی کے حرف حرف اور لفظ لفظ کو شعور و حکمت اور خلوص و دیانت کے ساتھ سمجھا اور سمجھایا ہے۔ اس نے تو لغات القرآن، مفہوم القرآن، تبویب القرآن اور مطالب القرآن کا گرانبہا خزانہ ہمیں عطا کر کے ہمارے لئے قرآنِ مبین کے مفاہیم کو سمجھنے کی راہیں ہموار کر دی ہیں۔ یہ وہ عظیم تصانیف ہیں جن کی مدد سے ہم قرآنِ کریم کو اس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے ذہنوں میں کوئی الجھاؤ کوئی انتشار یا غیر یقینی کی کیفیت باقی نہیں رہتی۔ کلام اللہ کی یہ ساری روشنی، یہ جگمگاتا نور ہمارے سامنے ہے۔ پھر ہم نے اپنے دل کی آنکھوں کو بند کیوں کر رکھا ہے؟ ہمیں جو وقت اب حاصل ہے ہم نہیں جانتے کب تک، وہ ہمارا ساتھ دے! ہمیں جان لینا چاہیئے کہ مہلت کے وقفے بار بار نہیں ملا کرتے۔ یاد رکھیئے! اگر ہم نے درس سننے کی سعید ساعتوں کا صحیح فائدہ نہ اٹھایا اور قرآنی فکر کو اپنانے اور معاشرے میں عام کرنے کی ذمہ داری کو نہ نبھایا تو دنیا و دینی فلاح و رسوائی تو ہمارا مقدر بن ہی رہی ہے آخرت میں بھی ہمارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے لئے میزان بھی کھڑی نہیں کی جائے گی۔ ذرا اپنے بابا جی کی اس کیفیتِ قلبی کا اندازہ لگائیے جب وہ انتہائی سوز و گداز کے ساتھ کہتے ہیں: ؎

قدم قدم پہ جلاتا ہوں خونِ دل کے چراغ — یہ سوچ کر کوئی پیچھے بھی آ رہا ہوگا!

یہ ہے ہمارے معلّم، مشفق کی انسانیت ساز سوچ اور پھر ایک نئے حوصلے اور نئی لگن کے ساتھ ان کا اس مشنِ قرآنی کی تکمیل میں انہماک۔ میرا آپ سے یہ دردمندانہ سوال ہے کہ آخر ہم اپنے طور پر غور و فکر کے دیئے کب جلائیں گے؟ ہمارے ذہنوں کے چراغ کب روشن ہوں گے؟ ہم نام نہاد مسلمان قرآن پڑھنے اور قرآن سننے والے کب قرآن اپنانے والے بنیں گے۔ اس صراطِ مستقیم پر چلنے کے لئے کب ہمارا پہلا قدم اٹھے گا۔ آخر کب؟؟

یاد رکھیئے! اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ نے موت کے وقت کو اسی لئے مستور رکھا ہے کہ ہم عملی اقدام کے آغاز کو یہ کہہ کر التوا میں نہ ڈالتے جائیں کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ اس میں جلدی کیا ہے! ہم کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ، ابھی بہت وقت پڑا ہے، جبکہ ہو سکتا ہے کہ ہمارا اگلا سانس ہی آخری سانس ہو!

(۰)

احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی کے ممبران

کی خصوصی توجہ کے لئے

ہم نے اپنے سابقہ اطلاع نامہ میں، جو طلوعِ اسلام کی ستمبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، یہ بتایا تھا کہ ہماری زمین کے متعلق محکمہ اشتمالِ اراضی کی طرف سے جس شکل میں دستاویزات مرتب ہوئی ہیں ان میں ایسا سقم رہ گیا ہے جس کی موجودگی میں ہماری سکیم روبکار آ ہی نہیں سکتی۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ یہ اسقام، جو سہواً وارد ہوگئے ہیں، دُور کر دیئے جائیں گے۔ لِلّٰہ الحمد کہ وہ اسقام اب دور ہوگئے ہیں اور ہمیں صحیح شکل میں دستاویزات ملکیتِ اراضی مل گئے ہیں۔

اس کے بعد اگلا مرحلہ، لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی (L.D.A) سے اپنی اسکیم کا نقشہ (TOWN PLAN) منظور کرانے کا ہے۔ اس سلسلہ میں بعض اہم امور ایسے ہیں کہ جب تک وہ طے نہ ہو جائیں، پلان مرتب ہی نہیں ہو سکتا۔ ان کے لئے سوسائٹی کی جنرل کونسل کی منظوری ضروری ہے۔ اس مقصد کے لئے طے پایا ہے کہ سوسائٹی کے ممبران کی جنرل میٹنگ مورخہ ۷ جنوری ۱۹۸۲ء بروز جمعرات بوقت ۳ بجے بعد دوپہر حسبِ سابق ۲۵ - بی، گلبرگ ۲ لاہور میں منعقد کی جائے۔ مسائل پیشِ نظر کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ جملہ ممبران اس میں شمولیت کو اپنا فریضہ قرار دیں۔ ان ممبران کو فرداً فرداً نوٹس بھی بھیجا جا چکا ہے لیکن یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس کے ساتھ طلوعِ اسلام میں بھی یہ اعلان شائع کر دیا جائے۔

(المرقوم ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء)

ایم۔ ایم۔ خلیل
(خازن۔ احباب کوآپریٹو ہاؤسنگ سوسائٹی لمیٹڈ)

محمد حسین
(آنریری سیکرٹری احباب کوآپریٹو سوسائٹی لمیٹڈ)

ضرورتِ رشتہ:- ایک (محمدزئی) نوجوان کے لئے جو مکینیکل انجینئر اور پائلٹ ہے ایسی ناکتخدا، معزز خاندان کی لڑکی کا رشتہ درکار ہے جس کی عمر اکیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ لیڈی ڈاکٹر، یا ڈاکٹری کی تعلیم کے آخری درجہ کی طالب علم کو ترجیح دی جائے گی۔ خط و کتابت صیغۂ راز میں رہے گی۔ خطوط پوسٹ بکس ۳۲۔ پشاور چھاؤنی کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔

فہرست معطیان قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

(۲۲ر ستمبر تا ۲۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء)

محترم

اسمائے گرامی	رقم	رسید نمبر
	روپے	
۱- ملک محمد انور صاحب چک ۱۹۲ ر ب (فیصل آباد)	۱۰۰/-	۳۹۸۸/۱۳
۲- محمد اسماعیل اعجاز صاحب برٹش معرفت بزم طلوع اسلام لندن	۸۸/۱۲	۳۹۸۹
۳- حسن دین دیوانہ صاحب معرفت 〃 〃 〃	۱۰۵/۷۹	۳۹۹۰
۴- غلام فرید صاحب لندن 〃 〃 〃	۷۰/۵۲	۳۹۹۱
۵- محمود الحسن درانی صاحب 〃 〃 〃 〃	۲۵۲/۶۸	۳۹۹۲
۶- سعید اختر صاحب نارتھ ہولٹ 〃 〃 〃	۸۸/۱۶	۳۹۹۳
۷- روشن عباسی صاحب لندن 〃 〃 〃	۳۵۲/۶۸	۳۹۹۴
۸- راجہ امیر افضل خان صاحب - برانلہ - آزاد کشمیر	۴۰/-	۳۹۹۵
۹- محمد عالم صاحب - دوحہ قطر	۱۰۰/-	۳۹۹۶
۱۰- عبدالواحد ارائیں صاحب گوٹھ اولیا آباد (سکرنڈ)	۲۰۰/-	۳۹۹۷
۱۱- محترمہ مسز ظفر سعید صاحبہ - سیالکوٹ	۳۰۰/-	۳۹۹۸
۱۲- زاہد حسین اقبال صاحب معرفت بزم طلوع اسلام ٹورنٹو کینیڈا	۸۱۹/-	۳۹۹۹
۱۳- محمد فاروق خان ملاں صاحب 〃 〃 〃	۸۱۹/-	۴۰۰۰
۱۴- محترمہ مسز زبیدہ مشرف صاحبہ - اسلام آباد	۱۰۰/-	۴۰۰۱/۱۳۱
۱۵- بیگم مقصود احمد صاحبہ - گلبرگ لاہور	۲۰۰۰/-	۴۰۰۲
۱۶- نام صاحب معرفت خالد گل صاحب الخبر سعودی عرب	۵۷۶/-	۴۰۰۳
۱۷- محترمہ مسز ظفر سعید صاحبہ - سیالکوٹ	۳۰۰/-	۴۰۰۴
۱۸- مسز زبیدہ مشرف صاحبہ - اسلام آباد	۱۰۰/-	۴۰۰۵
۱۹- بیگم چوہدری عبدالکریم صاحبہ - ننکانہ صاحب	۱۰۰/-	۴۰۰۶
۲۰- میاں اعجاز احمد صاحب معرفت بزم طلوع اسلام لاہور	۱۵۰/-	۴۰۰۷
۲۱- ملک حنیف وجدانی صاحب مری	۵۰/-	۴۰۰۸
	روپے	
۲۲- محمد ارشاد صاحب ٹیچر - چارہان مری	۲۵/-	۴۰۰۹
۲۳- کریم بخش صاحب جے وی ریٹائرڈ مدرس چک ۲۷/۴۲ اوکاڑہ	۸۰۰/-	۴۰۱۰
۲۴- سید نثار حسین جعفری صاحب معرفت بزم طلوع اسلام کراچی	۱۰۰/-	۴۰۱۱
۲۵- نام ظاہر نہیں کیا۔ 〃 〃 〃	۶۶/-	۴۰۱۲
۲۶- محمد تماچی صاحب - کراچی 〃 〃 〃	۵۰۰/-	۴۰۱۳
۲۷- جمال محمد صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۴۰۱۴
۲۸- محمد اسماعیل صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۰۰/-	۴۰۱۵
۲۹- طاہر ابرار انصاری صاحب 〃 〃 〃 〃	۱۵۰/-	۴۰۱۶
۳۰- یونس قریشی صاحب 〃 〃 〃 〃	۲۰۰/-	۴۰۱۷
۳۱- یعقوب خان صاحب 〃 〃 〃 〃	۳۰۰/-	۴۰۱۸
۳۲- لیاقت حسین صاحب 〃 〃 〃 〃	۲۳۰/-	۴۰۱۹
۳۳- گلزار احمد صاحب معرفت بزم طلوع اسلام فیصل آباد	۲۰/-	۴۰۲۰
۳۴- محمد اقبال صاحب معرفت بزم طلوع اسلام لاہور	۱۰/-	۴۰۲۱
۳۵- خاور الاسلام صاحب - ظہران ایئر پورٹ (سعودی عرب)	۱۳۵/-	۴۰۲۲
۳۶- محترمہ مسز زبیدہ مشرف صاحبہ اسلام آباد	۱۰۰/-	۴۰۲۳
۳۷- محترمہ مسز ظفر سعید صاحبہ - سیالکوٹ	۳۰۰/-	۴۰۲۴
۳۸- عبدالصمد ارائیں گوٹھ اولیا آباد (نوابشاہ)	۲۰۰/-	۴۰۲۵

میزان　۱۰۱۳۸/-

سابقہ میزان　۲۲۳۱۱۷/۳۳

کل میزان　۲۳۳۲۵۵/۳۳

محترم پرویز صاحب کا درسِ قرآن

جسے مقامی بزم ہائے طلوعِ اسلام کے اہتمام سے ہفتہ وار یا ماہانہ، کیسٹ یا ٹیپ ریکارڈرز کے ذریعے حسبِ ذیل مقامات اور اوقات پر باقاعدگی کے ساتھ نشر کیا جاتا ہے۔

نوٹ :- پرویز صاحب کے درس کے دوران ہی متعدد کیسٹیں اور ٹیپس بزموں کے لئے ریکارڈ کر لئے جاتے ہیں۔

نام بزم طلوع اسلام	دن اور وقت	مقامِ درس کے کوائف :-
لاہور	جمعہ ہر ۹ بجے صبح	۲۵/بی گلبرگ ۲ (نزد پولیس سٹیشن) فون نمبر ۸۸۰۸۰۰
لندن (انگلینڈ)	ہر ماہ کا پہلا اتوار (۲ بجے دوپہر)	149 SUTTON COURT RD. LONDON (E-13-9NR) PHONE-01-552-1517
برمنگھم (انگلینڈ) ہر ماہ کا پہلا اتوار دو بجے دوپہر - (بمقام)		60, HERICK RH SALTLEY, B8 INT.
اوسلو (ناروے) ہر ماہ کا پہلا سنیچر شام ۶ بجے (بمقام)		MR MANZOOR AHMAD, DOVRE GATE-7/OSLO-1
ٹورنٹو (کینیڈا)	ہر ماہ کا پہلا اتوار ۱۰ بجے صبح	335 DRIFTWOOD AVE. #311, DOWNS VIEW. TORONTO (NORTH YORK) (ONT): M3N-2P3. PHONE (416) 661-2827
کراچی ۲	ہر جمعہ ہر ۹ بجے صبح	کتب خانہ بزم طلوع اسلام کمرہ ۲۴ ہارون چیمبرز۔ الطاف حسین روڈ نیو چالی۔ فون ۲۳۸۸۲۸
پشاور	(۱) ہر جمعہ ۵ بجے شام (۲) ہر جمعہ ۹ بجے صبح	رہائش گاہ آغا محمد یونس صاحب۔ رفیقی لین صدر (OPP: V.I.P. MAINGATE) پشاور سٹیڈیم بائی روڈ۔ فون ۷۲۴۵۹ ‖ ہوٹل نعمت کدہ۔ یونیورسٹی روڈ۔ جہانگیر آباد۔
مردان	ہر جمعہ ۱۰ بجے صبح	عبداللطیف۔ محمود علی صاحب۔ آکاخیل بلڈنگ نواب علی روڈ
راولپنڈی	ہر جمعہ ۵ بجے شام	جی - ۱۶۶ لیاقت روڈ
لیہ	ہر جمعہ بعد نماز جمعہ	شبیر مکینیکل انجینئرنگ ورکس - شہید روڈ (لیہ)
ایبٹ آباد	ہر جمعہ ۴ بجے شام	رہائش گاہ صلاح الدین صاحب واقع 834-K-L کہپال (ایبٹ آباد)
سرگودھا	ہر جمعہ ۳ بجے سہ پہر	چوک واٹر سپلائی مکان نمبر ۴۔ نظامی منزل
بہاولپور	ہر جمعہ ۸ بجے صبح	عثمانی خیراتی شفاخانہ۔ غنی پورہ باہتمام (ڈاکٹر ہومیو) محمد اعظم خان صاحب۔
چکوال	ہر جمعہ ۹ بجے صبح	ضیا ٹیوشن سنٹر نزد ہجویری مسجد باہتمام ماسٹر غلام حسین صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام۔
کوئٹہ	باقاعدہ ہفتہ وار	رابطہ کے لئے ریڈیو اینڈ الیکٹرک سنٹر، نونی روڈ۔ باہتمام غلام صابر صاحب
گوجرانوالہ	ہر جمعہ بعد نماز جمعہ	دفتر بزم ملحق رہائش گاہ :- چوہدری مقبول شوکت۔ گل روڈ سول لائنز
گجرات۔ ہر جمعہ بعد نماز جمعہ و ہر اتوار ۴ بجے سہ پہر۔ بمقام ۔ ۲/۱/۱ بی بھمبر روڈ ... باہتمام شیخ قدرت اللہ صاحب ایڈووکیٹ		
جلالپور جٹاں	ہر جمعہ بعد نماز جمعہ	دفتر بزم طلوع اسلام (بازار کلاں)
ملتان	ہر جمعہ ۹ بجے صبح	دفتر شاہ سنز بیرون پاک گیٹ (فون ... ۳۱۰۷۱)
پنجکسی فصیل گیڈلا مکان	ہر جمعہ ۲ بجے سہ پہر	بمقام مطب حکیم احمد الدین صاحب (نمائندہ بزم)
ہنگو	ہر جمعہ ہر ۵ بجے شام	رہائش گاہ محمد جمیل صاحب واقع ریلوے روڈ (فون ۶۲)
فیصل آباد	ہر جمعہ ۳ بجے بعد دوپہر	بمقام حیات سرجیکل کلینک ۲۳/۷ پیپلز کالونی ۱ (فون ۴۲۸۵۵)

سربستہ حقیقتیں بے نقاب ــــ اسرار و رموز واشگاف

پرویز صاحب متعارف تو مفکرِ قرآن کی حیثیت سے ہیں، لیکن بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ کون کونسی ہوش رُبا وادیوں اور حیرت فروش منزلوں سے گذر کر اس چشمۂ نور و حیات تک پہنچے ہیں۔ ان کا بچپن، تصوف کے خواب آور گہوارہ میں گذرا۔ جب ان کے شعور نے آنکھ کھولی تو ان کے دل میں خلش پیدا ہوئی کہ معلوم کیا جائے کہ تصوّف کی اصل و بنیاد کیا ہے۔ جسے مشاہدۂ حقیقت کہا جاتا ہے اس کی کُنہ و ماہیت کیا ہے۔ وارداتِ قلبی کا سرچشمہ کونسا ہے۔ مختلف ریاضتوں اور مراقبوں سے جو روحانیت حاصل ہوتی ہے اس کی نوعیت کیا ہے۔ تعویذوں اور گنڈوں میں اثر کیسے پیدا ہوتا ہے۔ کرامات کس طرح سرزد ہوتی ہیں۔ یہ، اور اسی قسم کے سینکڑوں سوالات ان کے سینے میں اُبھرے جن کے حل کی تلاش میں وہ برسوں صوفیائے کرام کی درگاہوں اور خانقاہوں۔ ہندو سادھوؤں کی سمادھیوں اور سنیاسیوں کے یوگ آشرموں میں سرگرداں رہے اور اس طرح جو کچھ پڑھا تھا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ جو کچھ سنا تھا اس کا ذاتی مشاہدہ کر لیا۔ ان واردات و مکاشفات کا علم و تجربہ حاصل کرنے کے بعد وہ دانشِ نورانی (کتاب اللہ) کے سنگِ آستاں پر سجدہ ریز ہو گئے۔

اب انہوں نے اپنی ان آستانوں نوردیوں اور خانقاہ پیمائیوں کی سرگذشت اور خود تصوّف کی تاریخ کو اپنے مخصوص دلآویز انداز میں، اپنی تازہ ترین تصنیف۔

تصوّف کی حقیقت

میں منضبط کر دیا ہے۔ اس کے دو باب ہیں ــــ اوّل۔ تصوّف اور اسلام ــــ دوم، تصوّف اور اقبالؒ ــــ مستور حقیقتوں کا آئینہ، اور سربستہ رموز و اسرار کا گنجینہ ــــ کتابت، طباعت کاغذ عمدہ ــــ جلد مزین اور مطلا ــــ ضخامت چار سو صفحات سے زائد۔ قیمت -/۲۵ روپے

(محصول ڈاک -/۵ ")

ملنے کا پتہ:

(۱) ادارہ طلوعِ اسلام ۲۵-بی۔ گلبرگ ۲۔ لاہور۔ (۲) مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور